آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے — لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

نمبر ۸ — بابت ماہ اگست ۱۹۱۳ء — مطابق رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ — جلد ۱۲

چندہ سالانہ عام ۴ طلباء ۳

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ اگست ۱۹۱۳ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

قیامت کا ثبوت

اللہ لا الٰہ الا ھو لیجمعنکم الیٰ یوم القیامۃ لاریب فیہ و من اصدق من اللہ حدیثا ہ نساء ع ۱۱

قیامت کیا ہے؟ ایک دن ہے جس میں تمام اولین و آخرین جن اور انس اس فانی دنیا سے گذر جانے کے بعد اپنے اعمال کے مطابق جزا و سزا بھگتنے کے لئے جمع ہونگے اگر کوئی روح اپنے نیک کاموں سے اس چند روزہ زندگی میں ممتاز رہی تو وہاں دائمی راحت میں داخل ہو کر ہمیشہ کے لئے رنج و محن سے چھوٹ جائیگی اور اگر برخلاف اسکے بُرے کاموں میں زندگی بسر کی اور خدا کی درگاہ سے تعلق عبودیت نہ باندھا تو وہ اپنے اعمال کے مطابق سزا اور شدید عذابوں کی مستحق ہوگی۔ یہ مسئلہ قریباً تمام مذاہب عالم میں مسلم ہے اور سب کے نزدیک انسان اس دنیا میں کام کرنے کے لئے اور اگلے جہان کے لئے توشہ اکٹھا کرنیکے لئے پیدا کیا گیا ہے چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے خلق الموت و الحیوٰۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا۔ یعنی یہ سلسلہ حیات اور پھر اسکے بعد سلسلہ موت جو قائم کیا گیا ہے اس کی غرض یہ ہے کہ تا تمام لوگوں میں نیک اور بد۔ متقی اور فاجر کی تفریق ہو کر جزا و سزا دیجاوے۔ لیکن ہر زمانہ میں بعض بدبخت ایسے پیدا ہوتے آئے ہیں جو اس عظیم الشان

مسئلہ کے کافر اور یوم قیامۃ کے سرے سے ہی منکر چلے آئے ہیں اس لیئے قرآن مجید نے قیامت کے متعلق ایسی تفصیل سے ذکر کیا ہے اور ایسے ایسے اعلیٰ دلائل دیئے ہیں کہ یہ بات خیال میں نہیں آسکتی کہ کسی اور مذہب نے اسکے پاسنگ برابر بھی ذکر کیا ہو علاوہ ازیں قرآن مجید نے منکرین قیامت کے تمام دلائل کا ذکر کر کے انکا مسکت جواب دیا ہے اور یہ ایک ایسی بات ہے جسکی نظیر کسی الہامی کتاب میں نہیں پائی جاتی۔ یہ مضمون نہایت وسیع پیمانہ پر قرآن مجید میں آیا ہے لیکن میں نمونہ کے طور پر پہلے قیامت کی چند دلیلیں نقل کر کے پھر منکرین کے بڑے بڑے اعتراضات کا جواب درج کرونگا۔ وما توفیقی الا باللہ

دلیل اول

پہلی دلیل قرآن مجید اس طرح پر بیان فرماتا ہے لا اقسم بیوم القیامۃ ولا اقسم بالنفس اللوامۃ اس آیت میں قرآن مجید نے قیامت کے دن کو نفس لوامہ کے ذریعہ ثابت کیا کہ ہر ایک انسان میں یہ بات طبعی طور پر رکھی گئی ہے کہ جب وہ کوئی برا کام کرتا ہے تو اس کا نفس اندر ہی اندر اسے ملامت کرتا ہے اور وہ شخص ایسا کام کر کے کبھی حقیقی راحت اور خوشی محسوس نہیں کرتا گو ایک ڈاکو نفسانی حرص وطمع کے زور سے کسی شخص کو قتل کر کے اسکے مال سے اپنا گھر بھرے لیکن تخلیہ میں اسکا نفس اسے ضرور ملامت کرتا ہے اور اسے وہ خوشی کبھی نصیب نہیں ہو سکتی جو ایک تاجر کو ایمانداری کے ساتھ تجارت کرتے ہوئے مالدار ہونے کی وجہ سے ہو سکتی ہے یہی حال تمام چوروں اور ناجائز طریقوں سے کام کرنیوالوں کا ہے سو یہ اندرونی ملامت اور افسوس ہی دلالت کرتے ہیں کہ ایک دن ضرور آنیوالا ہے جس دن ہم کو اس برے کام کا نتیجہ ملیگا کیونکہ اگر برے کام کا بدلہ برا نہیں اور بدیوں کا نتیجہ خوفناک نہیں تو پھر یہ نفس میں ملامت کیوں پیدا کی گئی ہے اس ملامت سے ہی پتہ چلتا ہے کہ آگے ایک خطرہ کا مقام ہے جس سے ہمارا نفس لوامہ ہم کو روکنا چاہتا ہے یہ بات تجربہ سے معلوم کی گئی ہے کہ ایک بکری جس نے عمر بھر بھیڑیا نہیں دیکھا اگر ایک بھیڑیئے کے سامنے کیجاوے تو وہ خوف کے مارے ہلاکت تک پہنچ جاتی ہے اسکی وجہ بھی وہی فطرتی تقاضا ہے بھیڑیا اسکے

خون کا پیاسا ہے اور اس کا جانی دشمن ہے اس لیئے اس کی فطرت میں رکھا گیا ہے
کہ وہ اس سے لرزاں و ترساں رہے اسی طرح ایک دن بُرے کاموں کی سزا کے
لیئے مقرر ہے اسلیئے ہم میں نفس لوامہ رکھا گیا تا کہ وہ گناہ کے وقت ہمیں ملامت
کرکے آگاہ کرتا رہے کہ یہ کام آئندہ مت کرنا اس کا نتیجہ آگے چلکر بُرا نکلے گا۔

دلیل دوم

اسی طرح ایک اور مقام پر قیامت کی ایک اور دلیل دیتا ہُوا فرماتا ہے :۔
اللہ لا الہ الا ھو ط لیجمعنکم الی یوم القیامۃ لاریب
فیہ ط ومن اصدق من اللہ حدیثا۔ اس آیت میں قیامت کا
ایک عجیب ثبوت بیان فرمایا ہے کہ اے لوگو! مَیں خدا ہوں اور میرے سوا اور
کوئی شخص خدائی کا دم نہیں مار سکتا چونکہ مَیں تم کو خبر دیتا ہوں کہ قیامت کا دن ضرور
آنیوالا ہے اسلیئے میرا کہنا ہی ایک کافی دلیل ہے کیونکہ مَینے یہ قرآن نازل کرکے
اس میں ہزاروں پیشگوئیاں کیں جو پوری اتریں اور ہزاروں علوم بیان کیئے
جس کی سچائی روز روشن کی طرح ظاہر ہوئی جو حکم دیا وہ حق و حکمت پر مبنی ثابت ہُوا
اور جس بات سے روکا وہ واقعی تمھارے لیئے مضر پائی گئی اور جو خبر دی وہ سچی نکلی
تو کیا جب ہزاروں باتوں میں تم نے میرے علم میری قدرت میری سچائی کا مشاہدہ کیا
اس بات میں شک کر سکتے ہو کہ باوجود میرے دعویٰ کرنے کے پھر قیامت نہ آوے
غرض اس آیت میں خدائے تعالیٰ نے قیاس استقرائی کے طور پر قیامت کا ثبوت
دیا ہے کہ جب تم نے ہمیشہ میرے دعاوی کو پورا ہوتے دیکھا اور ہزاروں خبروں کو
درست نکلتے ملاحظہ کیا اور میری سچائی کا کامل طور پر مشاہدہ کیا تو اس کا لازمی نتیجہ ہے
کہ میری یہ خبر بھی درست نکلے کیونکہ تم پر اچھی طرح ثابت ہو چکا ہے کہ میری ذات پاک
جیسا کوئی سچا اور سچائی کا حامی نہیں۔

دلیل سوم

پھر تیسری دلیل قرآن حکیم اس طرح پر فرماتا ہے ان ربک ھو یفصل

بینھم یوم القیامۃ فیما کانوا فیہ یختلفون ○ اولم یھد لھم کم اھلکنا من قبلھم من القرون یمشون فی مساکنھم ان فی ذٰلک لاٰیات افلا یسمعون*۔ یعنی جسقدر مذاہب اسوقت روئے زمین پر موجود ہیں خواہ سچے ہوں یا جھوٹے سب کا حقیقی فیصلہ قیامت کے دن ہوگا اور جو لوگ سچائی کے حامی اور حق پر ہوں گے وہ کامیاب اور مظفر و منصور ہوں گے اور جو نا راستی کے شیدا اور حق کے مخالف ہوں گے انہیں جہنم میں داخل کیا جاویگا۔ اس کا ثبوت کیا ہے؟ وہی گذشتہ تجربے جو آدمؑ کے وقت سے لیکر ابتک کرتے آئے ہو یعنی دنیا میں بڑی قومیں آباد ہوئیں اور مضبوط سے مضبوط حکومتوں کی بنیادیں پڑیں لیکن خدا کے نبی آئے اور نہایت بے سروسامانی کیحالت میں آئے انہوں نے آکر بڑے بڑے لوگوں کو سمجھایا کہ تم خدا سے تعلق باندھو تو تمھاری حکومتیں برقرار رہیں گی اور تمھاری جاہ و عزت قائم رہے گی لیکن اگر تم نے ہماری بات کی پروا نہ کی اور خدا کے احکام سے منہ موڑا تو ہماری پیشگوئی یاد رکھو کہ تم اسی دنیا میں ہماری آنکھوں کے سامنے تباہ ہو جاؤ گے تمھاری حکومتیں جاتی رہیں گی تمھاری عزت و عظمت برباد ہو جائیگی اور تم مصیبتوں میں گرفتار ہو کر ہلاک ہو جاؤ گے پھر اسی پر بس نہیں بلکہ مرنے کے بعد تم پھر زندہ کئے جاؤ گے اور ایک دن ایسا آئیگا جس میں ابدی دکھوں اور عذابوں میں ڈالے جاؤ گے۔

اب ہم نبیوں کے اس دعویٰ کو واقعات کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ دنیا کی ہر قوم اور ہر ملک میں ایسے برگزیدہ لوگ آئے اور نہایت غربت اور تنہائی کیحالت میں آئے اور ایسے مخالفوں میں آئے جنہیں عزت اور حکومت مال اور دولت کسی بات کی کمی نہیں تھی۔ طاقت و قدرت کا یہ عالم کہ ہزاروں لاکھوں بندگانِ خدا کو ایک دم میں فنا کر دیں سلطنتوں کی سلطنتیں نیست و نابود کر دیں مگر پھر باوجود ان سامانوں ان حکومتوں اور دولتوں کے وہ نبیوں کے کہنے کے مطابق بالکل ہلاک ہو گئے تو کیا وجہ ہے کہ ہم ان راستبازوں کی ایک پیشگوئی کو

* سورہ سجدہ رکوع ۳

تو سچ مان لیں اور دوسری خبر کو غلط۔ دیکھو حضرت موسیٰؑ فرعون جیسے بادشاہ کی ایک ادنیٰ اور ذلیل رعایا میں سے پیدا ہو کر نبوت کے منصب پر قائم ہوئے اور اپنے بھائی سمیت اس جبار بادشاہ کے پُر ہیبت دربار میں آئے اور فرعون کو کہا کہ دیکھ سچی راہ اختیار کر خدا کے احکام پر چل اور بنی اسرائیل کو ارضِ مقدس میں جانے دے تیرا بھلا ہوگا ورنہ خدا کا قہر سر پر کھڑا ہے تو اس دنیا میں بھی اور قیامت کے دن بھی ذلیل اور رسوا ہوگا۔ پھر آپ ہی بتادیں کہ فرعون کا کیا حال ہوا کیا اُسکی حکومت برقرار رہی؟ یا کیا اسکی عزت و عظمت کچھ کام آئی؟ تو کیوں نہ ہم یقین رکھیں کہ قیامت کے دن بھی موسیٰؑ کی پیشگوئی فرعون کے بارے میں پوری ہوگی۔ اور مرنے کے بعد بھی وہ اپنے اعمال کی سزا بھگتے گا اسی طرح عرب کے ظالم وحشیوں کے پاس ایک شریف دل آیا اور کہا کہ تم یہ بداخلاقیاں چھوڑ دو اور یہ بدعملیاں ترک کردو اور میں خدا کی طرف سے آیا ہوں مجھے قبول کرلو خدا کا منشاء تم کو بڑا بنانے کا ہے تم ذلیل ہو معزز ہو جاؤ گے جاہل ہو عالم بنجاؤ گے ورنہ دیکھو تم باوجود اتنی بڑی قوم ہونیکے تباہ و ہلاک ہو کر اس دنیا سے کوچ کر جاؤ گے اور میں باوجود ایک کمزور اور اکیلا ہونے کے تم پر غالب آجاؤنگا پھر یہ سلسلہ یہاں پر ہی منقطع نہیں بلکہ مرنے کے بعد بھی تم میری مخالفت کا مزہ چکھو گے کیا دنیا نے اس پاک انسان کی باتوں کو پورا اُترتے نہیں دیکھا کیا وہ کامیاب نہیں ہوا کیا اسکے مخالفین اسکی آنکھوں کے سامنے ہلاک نہیں ہوئے کیا اُسکی پیشگوئی درست نہیں نکلی؟ جب کہ آپ لوگ میرے اِن سوالوں کا جواب اثبات میں دینے کے لیئے تیار ہیں تو کیا وجہ کہ اسکی اُخروی پیشگوئی کو سچا نہ سمجھا جاوے غرض اس آیت میں خدائے تعالیٰ نے قیامت کا بڑا بھاری ثبوت یہ دیا ہے کہ گذشتہ زمانہ پر نظر ڈالو۔ ہر قوم اور ہر ملک میں انبیاءؑ آئے اور متفق اللسان ہو کر دعویٰ کرتے تھے کہ قیامت کا دن آنیوالا ہے اسمیں ہمارے مخالف ذلیل و رسوا ہوں گے اس کا ثبوت یہ ہے کہ

اس دنیا میں ہمارے مخالف باوجود ظاہری سامانوں کے اور بے شمار مادی اسباب کے۔ پھر محض آسمانی نصرت سے ہمارے مقابل میں ہلاک ہو جاوینگے تو یہ دلیل ہوگی اس بات کی کہ وہ قیامت کے دن بھی جہاں کہ انکے پاس سامان کا نشان تک نہ ہوگا ہماری مخالفت کا پھل پائیں گے۔

دلیل چہارم

اس کے بعد میں ناظرین کو قرآن شریف کی ایک اور آیت کی طرف توجہ دلاتا ہوں افحسبتم انما خلقناکم عبثاً و انکم الینا لا ترجعون ۝ فتعلی اللہ الملک الحق۔ یعنی کیا تم لوگوں نے یہ گمان کر رکھا کہ ہم نے تم کو بغیر کسی غرض و غایت کے پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم مرنے کے بعد زندہ نہیں کیئے جاؤ گے ایسا خیال مت کرنا کیونکہ حق و حکمت والی قدوس ذات کے یہ بات شایاں نہیں کہ وہ ایسا کام کرے۔

اس چوتھی دلیل کو اللہ تعالیٰ اس طرح پر بیان فرماتا ہے کہ نظام عالم پر اگر غور سے نظر ڈالی جاوے تو صاف ثابت ہوتا ہے کہ دنیا میں جسقدر سامان اور اسباب مہیا کیئے گئے ہیں وہ سب انسان کے بقا کے لیئے ہیں۔ آسمان اور زمین دریا اور پہاڑ حیوانات اور نباتات غرض جو کچھ اس دنیا و مافیہا میں پیدا کیا گیا ہے وہ سب اس لیئے ہی تاکہ انسان انسے منتفع ہو کر دنیا میں اپنی ہستی قائم رکھ سکے اب جبکہ یہ بات معلوم ہوگئی کہ تمام اشیاء انسان کے لیئے ہیں اور انکے وجود کی غرض یہ ہے کہ انسان یہاں زندگی بسر کر سکے تو سوچنا چاہیئے کہ انسان کے پیدا کرنیکی بھی کوئی غرض و غائیت مدنظر ہوگی ہمیں اپنے قیاس دوڑانے کی ضرورت نہیں خود خدائے تعالیٰ بیان فرماتا ہے وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ۝ یعنی ہی نوع انسان کو اس لیئے پیدا کیا گیا ہے تاکہ وہ خدائے تعالیٰ کی رضا میں محو ہو کر اپنے تمام قویٰ کو ہمیشہ کے لیئے اسکی فرمانبرداری میں لگا دیں لیکن برخلاف اسکے اگر فرض کیا جائے کہ انسان صرف یہی چندروزہ زندگی بسر کرنیکے لیئے پیدا کیا گیا ہے اور مرنیکے بعد اسے دائمی زندگی نہیں ملے گی تو یہ خدائے تعالیٰ کی

ذاتِ پاک پر ایک اعتراض پڑتا ہے کہ ادھر تو خدائے تعالیٰ نے انسان کو پیدا کر کے اس کے قیام کے لیئے کروڑوں اربوں سامان پیدا کیئے ہیں اور پھر بقا کا یہ حال کہ چند روز زندہ رہکر ہمیشہ کے لیئے فنا ہو جاتا ہے۔ غرض خدائے تعالیٰ اس آیت میں ہمیں توجہ دلاتا ہے کہ اگر انسان اس پنجروزہ زندگی کے بعد پھر زندہ نہیں کیا جاویگا تو انسان کی پیدائش عبث ٹھہرتی ہے اور خدائے تعالیٰ کا فعل لغو ٹھہرتا ہے۔ بلکہ خدائے تعالیٰ کے افعال سے اور انسان کی ربوبیت عظیمہ سے اور ان سامانوں سے پتہ چلتا ہے کہ انسان ایک ایسی ہستی ہے جس کا پیدا کرنا اور ہمیشہ کیلیئے باقی رکھنا مقصود ہے ورنہ پھر اسقدر سامانوں اور اسباب کا فائدہ کیا تھا۔ ان اسباب کا ہونا اور تمام مخلوقات کا انسان کی خدمت میں لگا رہنا اور زمین و آسمان و مافیہا کا صرف انسان کے لیئے ہونا دلالت کرتا ہے کہ انسان ضرور ہمیشہ کے لیئے باقی رکھا جاوے گا اور انسانی ہستی ایک ابدی بقا کے لیئے پیدا کی گئی ہے۔ غرض اس آیت میں خدائے تعالیٰ اپنی پاک صفات کا حوالہ دیتا ہوا فرماتا ہے کہ میں کوئی لغو کام نہیں کرتا یا ایک وقتی تفریحی کھیل میرا کام نہیں بلکہ میرا ہر ایک کام ایک حکمت پر مبنی ہوتا ہے اسی طرح میں نے انسانی نسل کا پودا زمین میں لگایا ہے اور ہزاروں سامان اسکی حفاظت کیلیئے مہیا کیئے ہیں صرف اسی لیئے کہ وہ میری مرضی کے مطابق ابدی عبودیت میں داخل ہو جائے۔ لیکن اگر کوئی شخص نادانی سے یہ خیال کرے کہ اس جہان سے گذر جانیکے بعد پھر انسان زندہ نہیں کیا جاویگا اور قیامت نہیں آئیگی تو ایسا شخص انسان پر نہیں بلکہ میری ذات پر حملہ کرتا ہے گویا کہ اسکے نزدیک میں نے انسان کو صرف عبث طور پر پیدا کیا کہ چند روز زندہ رکھکر پھر اسے اسی طرح معدوم کر دیا جاوے اور ایک وقتی ڈراما دکھا کر ڈراپ سین کر دیا جاوے۔ (میر محمد اسحٰق) باقی آیندہ انشاء اللہ

امریکہ کے ایک ڈاکٹر کا لیکچر اسلام اور نبی اسلام پر

ڈاکٹر جارج بیکر (شہر فلیڈلفیا۔ اضلاع متحدہ۔ امریکہ) نے ہمارے پاس اپنے

لیکچر کی ایک نقل بھیجی ہے جو انہوں نے کوپر لٹریری انسٹیٹیوٹ فیلڈلفیا کے سامنے اسلام اور نبی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر دیا۔ اس لیکچر کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

اگر یہ سوال کیا جاوے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون تھا۔ تو اسکا جواب نام کے مسیحی ممالک میں یہ دیا جائیگا۔ کہ وہ (نعوذ باللہ) ایک مفتری تھا جس نے مذہب اسلام کو صرف اسلیئے جاری کیا۔ کہ وہ اپنی حکومت ملک میں قائم کرے۔ اب ہم اس دعوے پر غور کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ یہ کہاں تک سچ ہے۔ اگر ہم مسیحی مصنفین کی طرف توجہ کریں تو وہاں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ واقعات کو بگاڑ کر پیش کیا گیا ہے اور بعض جگہ تو محض جھوٹ سے کام لیا گیا ہے۔ کوئی مسیحی حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت انصاف سے رائے نہیں دے سکتا۔ بلکہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو الگ رہے وہ دنیا کے کسی اور مصلح مثلاً چین کے مصلح کنفیوشس یا ہندوستان کے مصلح بدھ یا ایران کے مصلح زردشت کی نسبت بھی منصفانہ رائے زنی نہیں کر سکتا۔ مسیحیوں کا تعصب تو اس سے بھی ظاہر ہے کہ اگر کسی رومن کیتھولک مسیحی سے سوال کیا جاوے کہ وہ لوتھر کو کیسا سمجھتا ہے تو وہ کہے گا کہ وہ کیتھرائن پر عاشق تھا۔ اور اس سے شادی کرنیکی خاطر اس نے تارک الدنیا مسیحیوں کی خانقاہ کو چھوڑ دیا اور رومن کیتھولک مذہب سے اپنے تئیں آزاد کر دیا۔ اور پراٹسٹنٹ مذہب کی بنیاد ڈالی۔ مگر ہم میں سے جن لوگوں نے تاریخ کو پڑھا ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ الزام جھوٹا ہے۔

جب میں جوان تھا میں نے یسوع مسیح کی ایک سوانح عمری پڑھی جو ایک یہودی کی لکھی ہوئی تھی۔ یہ کتاب عبرانی قوم کے نوجوانوں کیلیئے تالیف کیگئی تھی۔ جو ایک یہودی فاضل نے مجھے پڑھنے کے لیئے دی۔ اس کتاب میں ہر ایک بری بات یسوع مسیح اور اسکی والدہ کی طرف منسوب کی گئی تھی۔ یسوع مسیح کو ایک فریبی انسان۔ دغاباز اور مفتری اور ملک گیری کا خواہاں بیان کیا گیا تھا۔ اور اسکی والدہ کو (نعوذ باللہ) بدکار عورت بیان کیا گیا تھا۔ مسیحیوں نے حضرت محمد

(صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت لکھا ہے وہ بھی قریباً قریباً اسی رنگ سے رنگین ہے جس رنگ سے یسوع مسیح کی نسبت یہودیوں کی تحریریں رنگین ہیں۔ سر ولیم میور اور دیگر مسیحی مصنفین جنہوں نے سر ولیم میور کے قدم پر قدم مارا ہے انکی تحریریں اسی تعصب کی ملونی اپنے اندر رکھتی ہیں جو یہودی مصنفین کی تحریروں میں پایا جاتا ہے۔ پہلا مصنف جسکو حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت حق کہنے کی جرأت ہوئی وہ گبن تھا جسکی تصنیف ڈیکلائین اینڈ فال آف دی رومن ایمپائر ایک مشہور کتاب ہے۔ اسکے بعد جس مصنف نے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت حق کہنے میں جرأت سے کام لیا وہ ٹامس کارلائیل تھا۔ اس نے جو مضمون حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت لکھا اسکو پڑھکر کل انگریزی دان دنیا حیران رہ گئی۔ اسکے بعد باسورتھ سمتھ اور عمنوائیل ڈیٹوچ (ایک نوجوان یہودی) نے حق گوئی کام لیا۔ اسکے بعد بہت سے ایسے لوگ پیدا ہوگئے جنہوں نے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت تقریر و تحریر میں اچھی رائے ظاہر کی اور بہت سے انگریزوں۔ فرانسیسیوں۔ جرمنوں نے برملا دین اسلام قبول کیا۔

جو کچھ میں اس لیکچر میں بیان کرونگا۔ اسکی بنا زیادہ تر دو مصنفوں پر ہے، ایک محمد باقر مصنف حیات القلوب۔ دوسرا البدری۔ جو کہ مصر کا ایک بشپ ہے جس نے باوجود مسیحی ہونیکے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت صحیح واقعات درج کیئے ہیں۔ گبن نے بھی اپنی مشہور کتاب ڈیکلائین اینڈ فال آف دی رومن ایمپائر میں زیادہ اسی مصنف کے واقعات کو اخذ کیا ہے کتاب حیات القلوب میں آنحضرت (صلعم) کا پورا شجرۂ نسب حضرت اسمٰعیل (علیہ السلام) تک اور حضرت اسمٰعیل (علیہ السلام) سے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) تک اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) سے حضرت آدم (علیہ السلام) تک پہنچایا ہے۔ اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ مکّہ کی حکومت میں آپکے بزرگوں کا کیا درجہ تھا اور آپکے اور آپکے بزرگوں کی پیدائش کے حالات اور آپکے اور آپکے بزرگوں کے ماں وباپ کے نام بھی درج ہیں۔

آپکے آباؤ اجداد میں سے ہاشم نام ایک نہایت مشہور و معروف آدمی تھا جو آپ کا جدِ امجد تھا۔ ہاشم کی شادی مدینے کی ایک نجیب الطرفین خاتون کے ساتھ ہوئی تھی جس کا نام سلیمہ تھا۔ وہ اسباب سوداگری لیکر شام (دمشق) میں گیا۔ وہاں پہنچکر اپنا مال بیچا اور نیا مال خرید کر گھر کو لوٹا۔ حدودِ شام سے باہر اربہ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے یہاں پہنچکر ہاشم بیمار ہو گیا۔ اور اگلے روز اسے یہ دکھائی دینے لگا۔ کہ میری وفات کا وقت آپہنچا ہے۔ اُس نے وصیت لکھنے کے لیئے کاغذ مانگا۔ اس میں اپنی بیوی سلیمہ کو اپنے آیندہ پیدا ہونیوالے لڑکے کی نسبت جس کا نام اسکی ماں نے شیبہ رکھا خاص ہدایات تحریر کیں۔ اور اپنے بھائی مطلب کو بھی ہدایت کی۔ کہ اس لڑکے کو مکہ میں رہ کر خانہ کعبہ کے جوار میں پرورش کرے۔

ہاشم اسی شہر اربہ میں مر گیا۔ اور وہیں دفن کیا گیا۔ جب یہ لڑکا چھ برس کا ہوا تو اس کا چچا اسکو مکہ میں لے گیا اور وہیں اسکی تربیت کی۔ سنِ بلوغ کو پہنچکر لڑکا اپنی وراثت جدی پر قابض ہو گیا۔ کیا معنی۔ خانہ کعبہ کا متولی ہو گیا۔ (اس لڑکے کا نام عبد المطلب تھا)

اس عبد المطلب کے ہاں دس لڑکے اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ ابوطالب محمد صلعم کا چچا اور عبد اللہ آپکے والد دونوں ایک ہی ماں کے بطن سے تھے۔ عبد اللہ نے جو عبد المطلب کے سب بیٹوں سے عمر میں چھوٹا تھا۔ مکہ کی ایک عالی خاندان خاتون سے شادی کی۔ اس خاتون کے والد کا نام وہب تھا۔ اور ماں کا نام بیراہ۔ عبد المطلب نے اپنے بیٹے کے لیئے خود آمنہ کے نکاح کی درخواست کی تھی۔ اور شادی کا انتظام بھی اس نے خود ہی کیا تھا۔ یہ خاندان بھی قریشی تھا۔ اور یہ لوگ بھی عبد اللہ کے دادا ہاشم کے رشتہ داروں میں سے تھے۔ اسوقت مکہ میں یہودی لوگ نہیں تھے۔ کیونکہ مکہ ہمیشہ صرف عربوں ہی کے رہنے کے لیئے مخصوص رکھا ہوا تھا۔ اور آجتک ایسا ہی ہے۔ پس یہ بھی ایک عیسائی پادری اپنے لیکچر میں جو اس نے حال ہی میں محمد صلعم اور آپکے مذہب کے متعلق دیا ہے۔ بیان کرتا ہے۔ کہ محمد صلعم کی ماں یہودی الاصل

تھی۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ انجیل کے شیدائی مسیحی جس وقت محمد صلعم کے متعلق لیکچر دیتے ہیں۔ سچ بولنے کی چنداں پروا نہیں کرتے۔

محمد صلعم کے والد عبد اللہ ایک نہایت ہی حسین اور صالح عربی جوان تھے۔ آپکا انتقال مدینہ میں محمد صلعم کی پیدائش سے پیشتر ہی ہو چکا تھا۔ محمد صلعم ۵۷۰ء میں تولد ہوئے۔ اسوقت جیسا کہ شہر کے آسودہ حال گھروں میں رواج تھا قبیلہ بنی سعد بن بکر میں سے حلیمہ نام ایک دائی آپ کو دودھ پلانے پر نوکر رکھی گئی پانچ برس دو یوم تک محمد صلعم اسی کے گھر میں رہے۔ وقتاً فوقتاً دائی آپ کو مکہ میں لے آتی تھی۔ تاکہ لڑکے کی والدہ اور دادا اسکو دیکھتے رہیں۔ دائی کو خاطر خواہ معاوضہ دیا گیا۔ اور یوں بھی اللہ نے انکے گھر میں بڑی برکت ڈالی۔ جب وہ لڑکے کو اپنے گھر لیکر گئی تھی۔ تو اسکے ہاں صرف تیس بھیڑیں تھیں۔ لیکن جب لڑکے کو واپس دینے آئی۔ تو اسوقت انکے گھر میں ہزار بھیڑیں اور تیس اونٹ تھے۔ جب محمد صلعم کی عمر چھ برس کی ہوئی۔ تو آپکی والدہ ماجدہ انکو انکے والد ماجد کی قبر کی زیارت اور اپنے رشتہ داروں کے ملنے کے لیئے مدینہ میں لے گئی۔ ماں بیٹا دو ماہ تک وہاں ٹھہرے اور پھر مکہ کو لوٹے۔ ابھی رستے ہی میں تھے۔ کہ آپ کی والدہ صاحبہ بیمار ہو گئیں۔ اور وہیں مر گئیں۔ اور وہیں انکو دفن کیا گیا۔ یہ جگہ مکہ اور مدینہ کے وسط میں تھی۔ ایک نوکر انکے ہمراہ تھا۔ اس نے مکہ پہنچکر آمنہ کی وفات کا سارا حال عبد المطلب کو سنایا۔ عبد المطلب کو یہ خبر سنکر سخت رنج ہوا۔ اب اس نے محمد صلعم کو اپنے گھر میں رکھنا شروع کیا۔ اور وہ آپ کو خانہ کعبہ میں لیجایا کرتا تھا۔ جب آپ کی عمر آٹھ برس کی ہوئی۔ تو آپکے دادا کا بھی انتقال ہو گیا۔ اپنی وفات کے وقت اس نے اپنے ننھے یتیم پوتے کو اپنے بیٹے ابو طالب کے سپرد کیا۔ ابو طالب نے آپکی پرورش کا خوب حق ادا کیا۔ اور مرتے دم تک آپ کا ساتھ دیا۔

ابو طالب کچھ بہت آسودہ حال نہ تھا۔ لہذا محمد صلعم مکہ کے ... ... گرد نواح کی پہاڑیوں پر چرایا کرتے۔ جب آپکی عمر بارہ برس کی ہوئی۔ تو

ابو طالب ایک قافلے کے ہمراہ شام کو گیا۔ محمد صلعم نے درخواست کی کہ چچا مجھے ضرور اپنے ہمراہ لے چلو۔ چچا نے ساتھ لیجانا منظور کر لیا۔ یہ سفر خیر و خوبی سے ختم ہوا۔ وہاں سے پھر کر آپ نے بھیڑ بکریں چرانے کا کام از سر نو شروع کر دیا۔

اس وقت مکہ میں ایک خاتون خدیجہ نام تھی۔ بڑی دولتمند اور صاحب جاہ و ثروت۔ اُسنے شام میں بھیجنے کے لیئے ایک قافلہ تیار کیا۔ آنحضرت صلعم کی عمر اسوقت ۲۴ سال کی تھی۔ آپ کے چچا نے آپ سے کہا۔ کہ اگر آپ خدیجہ کی ملازمت اختیار کر لیں۔ تو آپ کے لیئے بہت بہتر ہو۔ خدیجہ نے خوشی سے آپ کو ملازم رکھ لیا۔ آپ نے مال سوداگری عمدہ منافع پر فروخت کیا۔ اور واپسی کے وقت نیا مال خرید کر لائے۔ یہ سفر بڑا سود مند ثابت ہوا۔ اور خدیجہ بڑی خوش ہوئی۔ ایک تو آپکی لیاقت خرید و فروخت کیوجہ سے اور دوسرے اس وجہ سے کہ آپ حسین اور جوان صالح تھے۔ اُسکو آپ سے محبت ہو گئی۔ اور خود ہی اس نے آپ سے نکاح کی درخواست کی۔ اور تھوڑے عرصہ کے بعد دونوں کی شادی رچائی گئی۔ خدیجہ کے والد نے بھی اس نکاح کو بہت پسند کیا۔ اس سے پہلے دو دفعہ خدیجہ کی شادی ہو چکی تھی۔ لیکن اسکے دونوں سابقہ خاوند فوت ہو چکے تھے۔ اور اسوقت اسکے ہاں پہلے نکاحوں سے ایک لڑکا اور دو لڑکیاں تھیں۔ اس شادی خانہ آبادی سے ہر کہ و مہ کو خوشی ہوئی۔ حالانکہ خدیجہ کی عمر چالیس سال کی تھی۔ اور آنحضرتؐ کی عمر صرف پچیس سال کی تھی۔ خدیجہ کے بطن سے آنحضرتؐ کے ہاں دو لڑکے اور چار لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ لڑکے تو بچپن ہی میں فوت ہو گئے۔ لڑکیاں جوان ہو کر بیاہی گئیں۔ ان چاروں میں سے فاطمہ نہایت مشہور گذری ہے۔ فاطمہ کی شادی آنحضرت کے عم زاد بھائی علی ابن ابی طالب سے ہوئی تھی۔

جب آنحضرت صلعم پر یہ فضل الٰہی ہوا۔ کہ آپ کی شادی مکہ کی سب سے بڑی دولتمند خاتون سے ہو گئی۔ تو آپ نے اپنی بیوی کے کاروبار کی نگرانی شروع کی۔ لیکن اس تعلق کی وجہ سے آنحضرتؐ کو ذکر اذکار کی طرف متوجہ ہونیکے لیئے وقت ملنے لگ گیا۔ آنحضرتؐ کی

عادت تھی - کہ جنگلوں اور ویرانوں میں اکیلے تشریف لیجاتے - اور کئی کئی دن اور ہفتے ذکر و فکر میں مصروف رہتے - رات کے وقت آپ غار حرا میں چلے جاتے - ان خلوتگاہوں میں گاہ گاہ خدیجہ بھی آپکے ہمراہ چلی جاتی - آنحضرتؐ کا برتاؤ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ ایسا اچھا تھا - کہ مکہ کے سب لوگ آپکو امین کہتے - اور اس وجہ سے اگر آنحضرت صلعم مکہ کے رئیس اعظم نہ تھے - تو رئیس ضرور تھے - جب علیؓ کی عمر سات برس کی ہوئی - تو وہ آنحضرتؐ کے ہمراہ رہنے لگے - اسوقت کے بعد علیؓ ہمیشہ آپکے طرفدار رہے - آنحضرتؐ کی عمر چالیس سال کی تھی - کہ حضرت جبرائیل آپکے سامنے آئے - اور عہدۂ رسالت آپکے سپرد ہوا -

اسوقت سب سے اول حضرت خدیجہ نے اور انکے بعد آپکے چچازاد بھائی علیؓ اور آپکے متبنیٰؓ زید اور آپکے دوست ابوبکرؓ نے (جو آپکی وفات پر آپکے خلیفہ مقرر ہوے) آپ کی بیعت کی - علیؓ کو ارشاد ہوا - کہ ابوطالب کے گھر میں چھوٹے پیمانے پر ایک دعوت کا سامان تیار کرے - اس دعوت میں آپنے قریبی رشتہ دارونکو بلایا - آنحضرتؐ نے انکو اطلاع دی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسالت پر مامور کیا ہے - لیکن وہ آنحضرتؐ پر ایمان نہ لائے اور چپ چاپ چلے گئے -

تین سال تک آنحضرتؐ نے آہستگی کے ساتھ ایک خدا کی عبادت کے مسئلہ پر وعظ و تلقین کی - لیکن اس عرصہ میں دین اسلام میں زیادہ آدمی داخل نہ ہوئے تین سال کے اختتام پر قریش کو کھلم کھلا پیغام دیا گیا -

ایک دن آنحضرتؐ خانہ کعبہ میں تشریف لے گئے - اور حضرت اسمٰعیل کے پتھر پر کھڑے ہوکر آپنے علانیہ خدا کی وحدانیت کا وعظ کیا - اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا - کہ مَیں خدا کا رسول ہوں - اب آپکے پیروؤں کی تعداد یکے بعد دیگرے بڑھنے لگی - پانچ سال کے گذرنے کے بعد قریش کو بھی اندیشہ پیدا ہوگیا اور انہوں نے آنحضرتؐ کو ایذا اور موت کی دھمکی دینی اور آپکے مریدوں کو مارنا پیٹنا شروع کردیا - رسول خدا صلعم نے بعض مسلمانوں سے کہا - کہ تم

ابی سینیا (حبش) میں جاکر پناہ گزین ہو جاؤ۔ نجاشی شاہ حبش نے ان مسلمانوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ اور خود بھی مسلمان ہوگیا۔ اور جب قریش نے مسلمانوں کے پیچھے ایک وفد بھیجا۔ تو شاہ نجاشی نے انکو واپس دینے سے انکار کر دیا۔ یہ وفد کفار مکہ نے اس غرض سے بھیجا تھا۔ کہ مسلمانوں کو مکہ میں واپس لاکر اس امر کی سزا دیجائے۔ کہ کیوں وہ ایک خدا اور اسکے رسول پر ایمان لائے۔

جب مشرکان مکہ نے دیکھا کہ اسلام سب طرف ترقی کر رہا ہے اور نہ صرف شہر مکہ میں بلکہ صحرا کے بعض لوگ اس دین کو قبول کر رہے ہیں اور کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چچا حضرت حمزہ (علیہ السلام) نے اپنے بھتیجے کے دین کو اختیار کر لیا ہے اور کہ ابو طالب اور اکثر بنو ہاشم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حمایت کرتے ہیں تو از سر نو انکے سینوں میں غضب اور بت پرستی کی حمایت کی آگ بھڑک اٹھی۔ انہوں نے ملکر ایک معاہدہ کیا کہ بنو ہاشم کے ساتھ کھانے۔ پینے۔ بولنے۔ تجارت۔ شادی وغیرہ کے تمام تعلقات قطعاً بند کر دیئے جاویں یہاں تک کہ بنو ہاشم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو موت کے حوالے کرنے پر مجبور ہوں۔ کفار مکہ نے یہ بھی ارادہ کر لیا کہ جب کبھی موقعہ ملجائے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیا جاوے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بمع اپنے چچے ابو طالب کے ایک تنگ پہاڑی وادی میں جس کو شعب ابی طالب کہتے تھے پناہ گزین ہوئے۔ اس درہ کے راستوں پر پہرہ رکھا جاتا تھا تا آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ اس پہاڑی خلوت گاہ میں رہتے ہوئے جب زیادہ دن ہوگئے تو اس پناہ گزین قوم کو بھوک کی تکالیف بھی اٹھانی پڑیں۔ مکہ میں آنیوالے کسی عرب کو یہ جرأت نہ تھی کہ انکے پاس کوئی چیز فروخت کرے۔ کیونکہ اگر وہ ایسا کرتا تو مکہ کے قریش اس کا مال و اسباب لوٹ لیتے تھے۔ اس پہاڑی خلوت گاہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بمع اپنے ساتھیوں کے تین سال تک قید رہے۔ صرف حج کے دنوں میں آپ اس جگہ سے باہر قدم رکھ سکتے تھے کیونکہ ان دنوں میں کسی کو قتل کرنا جائز نہیں سمجھا جاتا تھا۔ حج کے دنوں میں نکلکر آپ لوگوں میں اسلام کی تبلیغ

کرتے تھے۔ اور اسلام دن بدن ترقی کرتا گیا۔ آخر وہ کاغذ جسپر مشرکین مکہ نے بنی ہاشم کے برخلاف عہد کیا تھا کعبہ سے لایا گیا اُسپر جسقدر تحریر تھی اُسکو مورچہ نے کھالیا تھا۔ صرف (اللہ) کا نام باقی رہ گیا تھا۔ یہ واقعہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپکے ساتھیوں کے نکلنے کا ذریعہ ہوا۔ اس سے دو ماہ بعد ابو طالب بیمار ہو کر فوت ہو گئے۔ اور اس سے جلدی ہی بعد حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کا انتقال ہو گیا۔ اور اب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے دشمنوں کے غضب کا پہلے سے بڑھ کر نشانہ بنگئے۔ مدینہ سے آئے ہوئے حاجیوں کے ساتھ آپ کی گفتگو ہوئی اور اُنہوں نے عہد کیا کہ اگر آپ ہجرت فرماکر ہمارے شہر میں تشریف لاویں تو ہم بڑی خوشی سے آپکا خیر مقدم کرینگے۔ اور یہ کہ اپنی جانوں اور اپنے مالوں کے ساتھ آپ کی حفاظت کریں گے۔ اسلیئے اُن واقعات کے جن کا اوپر ذکر ہوا ہے تھوڑا ہی عرصہ بعد آپ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لے گئے اور آپکے وفادار رفیق ابو بکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) آپکے ساتھ تھے۔ آپ شام کے وقت مکہ سے نکلے اور علی (رضی اللہ عنہ) نے آپکی جگہ آپکے بستر پر لیٹنا منظور کیا۔ جن لوگوں نے قتل کرنیکا منصوبہ کیا تھا وہ اپنے ہتھیار لیکر آئے اور جب دیکھا کہ یہ علیؓ ہیں تو اُن کو تو کچھ نقصان نہ پہنچایا مگر اُن سے یہ سوال کیا کہ بتاؤ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہاں ہے۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ تم اُنہیں میرے سپرد نہیں کر گئے تھے۔ تم چاہتے تھے کہ وہ چلے جائیں پس وہ چلے گئے ہیں۔ تیسرے دن غار کے پاس دو اونٹ لائے گئے۔ ایک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور راستہ دکھانیوالے کے لیئے اور دوسرا ابو بکرؓ اور اُنکے ملازم کے لیئے۔

آپ صحیح سلامت مدینے پہنچ گئے اور مدینہ کے مسلمانوں نے بڑی خوشی سے آپ کا استقبال کیا۔ مکہ میں جو طرح طرح کے ظلم آپ پر اور آپکے صحابہؓ پر توڑے جاتے تھے اب اُن سے آپ کو نجات ہوگئی جب حبشہ کے مہاجرین کو خبر پہنچی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع اپنے صحابہؓ کے مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے ہیں تو وہ بھی مدینہ میں آگئے۔ آپنے مدینہ پہنچکر سب سے پہلے یہ کام کیا کہ ایک زمین کا ٹکڑا جسپر آپ کا اونٹ بیٹھا تھا

مسجد کے لیئے خرید لیا۔ یہ دو یتیم لڑکوں کی ملکیت تھی۔ آپ نے انکو اسجگہ کی قیمت ادا کردی۔ اس قطعہ زمین پر ایک بڑی مسجد بنائی گئی اور اس کے ساتھ ملحق چاروں طرف حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم کے مکانات تھے۔ اس ہجرت سے مسلمانوں کا سن شروع ہوتا ہے۔ آپ کی بی بیوں کے مکانات اسی مسجد کے ساتھ ایک لائین میں بنے ہوئے تھے آپ کی بی بیاں سب کی سب سوائے عائیشہؓ و ماریہؓ کے یا تو بیوہ یا ثیبہ تھیں۔ ماریہؓ کو مقوقس۔ شاہ مصر نے آپ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ اس سے آپکا بیٹا ابراہیمؑ پیدا ہُوا جو چھوٹی عمر میں فوت ہوگیا۔ ان بی بیوں سے بعض کے خاوندوں نے خدا کی راہ میں اپنی جانیں دی تھیں۔ انمیں ...... ایک یہودی عورت تھی۔ جس کو آپنے غلامی میں جانے سے بچایا۔

آجکل کے مسیحیوں کی نظر میں چھٹی صدی اور بیسویں صدی رسم ورواج میں بالکل مطابق اور یکساں معلوم ہوتی ہیں جس سے ان مسیحی مصنفین کی حماقت ظاہر ہوتی ہے پہلی بی بی جس سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خدیجہؓ کی وفات کے بعد شادی کی سودہؓ تھی۔ جس کا خاوند حبشہ سے واپس آکر فوت ہوگیا تھا۔ اس نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آگے اپیل کی اور آپنے اسپر رحم کھا کر اس سے نکاح کرلیا ایسا ہی بہت سی اور بی بیوں کا حال ہے۔ اُنکے پہلے خاوندوں نے خدا کی راہ میں دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی جانیں قربان کیں۔ اُن دنوں میں کم از کم عرب میں یہ ضروری تھا کہ ہر ایک عورت ایک گھر رکھتی ہو اور کسی کے نکاح میں ہو۔ آجکل امریکہ میں اس قسم کے حالات ہیں کہ ہر ایک عورت کے لیئے ضروری نہیں کہ اُسکا ایک مستقل گھر ہو۔ کیونکہ آجکل وہ بورڈنگ ہوسوں میں رہ سکتی ہیں یا جیسا کہ آجکل عام طور پر مغربی ممالک میں دیکھا جاتا ہے رات کے وقت شہروں کے کوچوں اور گلیوں میں پھر سکتی ہیں۔ نیز اُس زمانہ میں آجکل کی طرح کوئی ایسی پیشے اور ایسی تجارتیں اور ایسے دفتر نہ تھے جہاں عورتیں کام کرسکتیں

اُس زمانہ میں کوئی ایسی دوکان نہ تھی جہاں عورت سودا بیچ سکتی اور نہ کوئی ایسا کارخانہ تھا جہاں وہ خریداروں کی آؤ بھگت کر سکتی۔ اُس زمانہ کی عورتیں آجکل کی عورتوں کی طرح کسی مشین کے چلانے پر متعین نہیں ہو سکتی تھیں نہ ریل گاڑی کی ڈرائیوری کا کام کر سکتی تھیں۔ نہ دخانی کشتی کی ملاحی کر سکتی تھیں۔ مسیحی ممالک میں ایک بے شوہر عورت خانقاہ میں رہ سکتی تھی (اگرچہ یہ خانقاہیں پاکیزگی کی جگہیں نہ تھیں) مگر عرب میں کوئی ایسی خانقاہیں نہ تھیں۔

ان بیواؤں میں سے اکثر آپ کے لیئے ایک بوجھ تھیں۔ آپ اب بڑھاپے کی طرف جا رہے تھے۔ اور کفایت شعاری سے آپ گذران کرتے تھے۔ شراب پینا آپ کی عادت نہ تھی۔ اسلیئے انکا وہ حال نہیں ہو سکتا تھا جو آجکل مسیحی ممالک میں لوگوں کا حال ہے کیونکہ یہ لوگ عمدہ عمدہ غذائیں کھاتے ہیں۔ گوشت اور مختلف قسم کے شراب مثلاً وائین۔ وسکی۔ بی ار وغیرہ تمام دن استعمال کرتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شہوانی خیالات اور جذبات کا ان میں جوش رہتا ہے۔ پھر علاوہ اسکے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا صرف یہی کام نہیں تھا کہ قرآن شریف کی وحی کی حفاظت کا انتظام کریں بلکہ اسکے سوا اور بھی کئی قسم کے افکار اور انتظامات میں آپکو منہمک رہنا پڑتا تھا ایسے شخص پر ہرگز تعیش کا الزام نہیں لگایا جا سکتا۔ نکاح کے وقت عائشہؓ کی عمر پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ مگر مسیحیوں کو خود انگلینڈ کے قانون کی خبر نہیں۔ مسٹر چٹی نے اس قانون کو اپنی کتاب میڈیکل جورس پروڈنس میں درج کیا ہے۔ انگلینڈ میں اور بعض اضلاع متحدہ کی ریاستوں میں آجکل بھی ۱۲ سال کی لڑکی اور ۱۴ سال کے لڑکے کی شادی ہو سکتی ہے اور یہ شادی قانونی طور پر جائز ہے۔ اور ریفارمیشن سے پہلے ۷ سال کے لڑکے اور ۵ سال کی لڑکی کی شادی ہو سکتی تھی اور ایسی شادیوں کو شرعی شادیاں کہا جاتا تھا۔ اور مسیحیوں کی تحریروں اور تقریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں اب بھی چھوٹی عمر کے لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی عام طور پر رائج ہے۔ مسیحیوں کو چاہیئے کہ پہلے اس امر کے متعلق اپنی تاریخ کا مطالعہ کریں ورنہ خاموش رہیں۔ کثرت ازدواج پر وہ کثرت سے اعتراض کرتے ہیں

مگر اُن کو چاہیئے کہ گبن نے جو مسیحی بادشاہ وے لین ٹی نین کا حال لکھا ہے اُسکو پڑھیں۔ پہلے اُسکی شادی قسطنطین اعظم کی پوتی سے ہوئی۔ بعد میں اُس نے ایک دوسری عورت سے نکاح کر لیا جس کا نام جسٹینا تھا۔ علاوہ اُس کے اس مسیحی بادشاہ نے ایک عام اعلان کے ذریعے اپنی کل رعایا کو یہ اجازت دی کہ وہ ایک سے زیادہ بیویاں کر سکتے ہیں۔ اُس نے طلاق کی قدیمی اجازت کو بھی از سر نو تازہ کر دیا۔ اُسکی دونوں بی بیوں سے اولاد ہوئی۔ پہلی کے بیٹے کا نام گریشین تھا۔ اسکو سولہ سال کی عمر میں بادشاہ بنایا گیا۔ جسٹینا کا بیٹا ابھی ۳ سال کا تھا کہ فوج نے

اسلامی قانون اسکے متعلق وہ ہے جو سورہ نساء کے ابتدا میں ہے اور جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تم دو۔ تین یا چار عورتوں سے شادی کر سکتے ہو مگر اس سے زیادہ نہیں۔ اور اگر تم ان میں انصاف کا برتاؤ نہیں کر سکتے تو پھر تمھیں صرف ایک بی بی سے نکاح کرنا چاہیئے۔ اس سے ہم دیکھ سکتے ہیں کہ نکاح کے بارہ میں اسلامی قانون کا کمال ایک ہی بیوی پر ہوتا ہے۔

میرا ایک دوست مسٹر سٹڈرڈ جس نے کل دنیا کی سیر کی قسطنطنیہ میں اپنے ایک پُرانے فرانسیسی دوست سے ملا۔ یہ فرانسیسی ایک پاشا کے بیٹے کا اتالیق تھا۔ مسٹر سٹڈرڈ نے پاشا سے ملاقات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ اتالیق نے پاشا سے ملاقات کرانے کا وعدہ کیا۔ دونوں ملکر پاشا کے مکان پر گئے۔ دوسرے نادان مسیحیوں کی طرح اُس کا خیال تھا کہ پاشا کے حرم میں درجن کے قریب بیویاں ہونگی۔ مگر اُس فرانسیسی اتالیق نے جلدی ہی اُس کی اس غلطی کو دور کر دیا۔ اُنکو ملاقات کے کمرہ میں جس کا نام **سلام علیك** تھا داخل ہونے کی اجازت دی گئی۔ اور یہاں پاشا کے بیٹے سے اُنکی ملاقات ہوئی۔ پاشا کا حرم مکان کی دوسری طرف تھا۔ اُسکو بتلایا گیا کہ حرم کے معنے ہیں ایک مقدس اور عزت کی جگہ اور ہر ایک ناپاک چیز حرم سے ہمیشہ دور رکھنی چاہیئے۔ حرم میں پاشا کی بیوی ہے جسکو اُس مکان میں پورا پورا اختیار حاصل ہے چھوٹے بچے۔ چند خادمہ عورتیں۔ پاشا کی ماں اور پاشا کی بیوی کی ماں ان سب کے متعلق ہر ایک انتظام اُسی کے سپرد ہے جبکہ لڑکا ۱۷ سال کا ہو جاتا ہے تو اُسکو بلا اجازت

حرم سرائے میں داخل ہونے کی اجازت نہیں۔ ایسا ہی خود پاشا بھی اجازت لیکر داخل ہوتا ہے یا جب پاشا کی بیوی اُس کو بُلائے۔ کوئی اجنبی آدمی کبھی اس مکان میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اتنے میں پاشا خود آگیا اور مسٹر سٹڈرڈ کو اُس سے انٹروڈیوس کیا گیا۔ مہمان کے سامنے قہوہ اور حُقّہ فورًا لائے گئے۔ اور تھوڑی سی گفتگو کے بعد مسٹر سٹڈرڈ اور فرانسیسی اتالیق وہاں سے رخصت ہو گئے۔ یہ سب کچھ دیکھکر امریکہ کا سیّاح دنگ رہ گیا۔ اُسکا خیال حرم کی نسبت اُس سے بالکل مختلف تھا جو اُس نے دیکھا۔ اُسکو یہ بھی اطلاع دی گئی کہ اگر پاشا چاہے تو وہ چار بیویاں رکھ سکتا ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ سب بی بیوں کے مکانات۔ فرنیچر۔ خدام وغیرہ بالکل برابر اور یکساں ہوں۔ اور تھوڑے ہی لوگ ایسے دولتمند ہیں کہ وہ ایک سے زیادہ بیویاں رکھ سکیں مسٹر سٹڈرڈ نے اپنے فرانسیسی دوست سے پوچھا کہ آیا وہ استنبول میں کسی ایسے آدمی کو جانتا ہے جسکی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں۔ یہ فرانسیسی اتالیق بوجہ اپنی حیثیت کے استنبول کے لوگوں کے حالات سے بخوبی آگاہ تھا۔ اُس نے جواب دیا۔ ہاں۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ مجھے افسوس ہے کہ جو شخص ایک سے زیادہ بیویوں کا خاوند ہے وہ نہ تو ترک ہے نہ عرب بلکہ میری طرح ایک فرانسیسی عیسائی ہے۔

ایک رات ایک جہاز کا انگریز کپتان قسطنطنیہ کی گلیوں میں جا رہا تھا اس جستجو میں کہ کوئی عورت پا دے جسکے ساتھ رات عیش و عشرت میں بسر کرے۔ بہت سرگردان ہو کر اُسکو اپنی خواہش کے مطابق ایک عورت ملی مگر وہ انگریز عورت تھی۔ ترک عورتیں رات کو مردوں کی تلاش میں مارے مارے نہیں پھرتیں جیسے کہ ہمارے ملکوں کی عورتیں کرتی ہیں۔

یہ بھی قابل توجہ امر ہے کہ مسلمان عورتوں کو مسیحی عورتوں سے زیادہ حقوق ہوتے ہیں۔ اسلامی قانون میں وہ مردوں کے ساتھ برابر حصّہ لیتی ہیں۔ وہ اپنی جائداد اپنے نام پر رکھتی ہیں اور اُنکے خاوند اُس سے ایک درم تک بھی خرچ نہیں کر سکتے۔ جیسے انگلستان میں مرد کرتے ہیں کیونکہ وہاں عورتوں کے بہت تھوڑے حقوق ہیں۔ اور جہاں کہ بیوی اکثر دفعہ اپنے ظالم خاوند کی غلام ہوتی ہے مگر قانون اُسکو شکایت کرنیکا موقع نہیں دیتا۔ بلکہ تمام کا تمام قانون

خاوند کے حق میں ہی ہے ۔ امریکہ میں قانون کا خاصہ حصہ عورت کے حق میں ہے ۔ وہاں عورت اپنی جائداد رکھ سکتی ہے اور کاروبار اپنے نام پر کرسکتی ہے ۔ انگلستان میں ایک منکوحہ عورت ایسا نہیں کرسکتی ۔ اسلامی ملکوں میں جب ایک عورت شادی کرتی ہے تو اُس کے خاوند کو مہر دینا پڑتا ہے ۔ یہ مہر عورت کی ملکیت ہوتا ہے اور خاوند اُسکو ہاتھ تک بھی نہیں لگا سکتا ۔ اگر خاوند عورت کو طلاق بھی دیدے تو مہر عورت کے پاس رہتا ہے ۔ عورت نالش کرسکتی ہے اور اُس پر بھی نالش ہوسکتی ہے اور اُسکو عدالت میں حاضری کے لیئے خاوند یا والد کی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ انگلستان میں رواج ہے ۔ اگرچہ قرآن طلاق کی اجازت دیتا ہے مگر وہ شاذو نادر وقوع میں آتی ہے ۱۸۸۵ سے ۱۹۰۵ تک صوبجات متحدہ میں دس لاکھ طلاقیں واقع ہوئی ہیں ۔ مَیں دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ اسقدر طلاقیں تمام مسلمان دنیا میں پچھلے ایک ہزار سال میں واقع نہ ہوئی ہونگی ۔ اور ضروری امور بھی ہیں جن کے متعلق بولنے کے لیئے میرے پاس وقت نہیں ہے ۔

اب ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مدینہ میں دیکھتے ہیں جہاں یہ کہا جاتا ہے کہ اُنہوں نے اپنی سلطنت قائم کی ۔ بے شک جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پہلے پہل سچائی کا وعظ کیا ۔ تو آپ کا مذہب کے لیئے لڑنے کا ذرا بھی ارادہ نہ تھا ۔ آپ نے قریش کے مظالم ایسے صبر سے برداشت کیئے جس کی نظیر ملنی محال ہے ۔ ابکے ہاں سے آپ ہجرت کر آئے اور اُن کی زد سے دُور تھے ۔ مگر اُس سے وہ اور بھڑکے ۔ اب انہوں نے ایک لشکر لیکر مدینہ جانے کا فیصلہ کیا ۔ اور ارادہ کیا کہ آپ کو اور آپکے ہمراہیوں کو قتل کرکے اُن کا خاتمہ کردیں ۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ خبر سُنی اور ایک گروہ ۳۰۰ آدمیوں کا اکٹھا کیا اور اُن کے مقابلے کے لیئے آئے ۔ بدر پر لڑائی ہوئی محمد (صلعم) مظفر و منصور ہوئے ۔ اب اس موقع پر ریاکار و متعصب عیسائی شور مچاتے ہیں کہ مذہب اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا ۔ جوکچھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس موقع پر اور دوسرے موقعوں پر کیا صرف دفاعی تھا ۔ اگر آپ اس موقع پر خاموش رہتے اور دشمن آپ کو اور آپکے وفادار اصحاب کو بے روک ٹوک آزادی سے قتل کرتے تو عیسائی بہت خوش ہوتے اور خوشی کے گیت گاتے ۔ مگر محمد (صلعم)

ایسے بے غیرت انسان نہ تھے وہ ہرگز گوارا نہ کرسکتے تھے کہ دشمن مسلمانوں کو ایک چوہے کی طرح پامال کرڈالیں جیسا کہ اُن کا ارادہ تھا - آپ نے اُنکے مظالم مکہ میں بہت برداشت کیئے آخر وہ اُٹھے اور دشمنوں کو ہرجگہ کہ اُنہوں نے حملہ کیا نیچا دکھایا - وہ خدا کی مدد سے ہرجگہ اُنپر مظفر و منصور ہوئے - آپ ہمیشہ شکرگذاری کے ساتھ خدائے تعالیٰ کے احسانات اور تائیدات کا ذکر فرماتے تھے آخر مکہ نے اطاعت قبول کی - اور کعبہ کو بتوں سے صاف کیا گیا - تمام عرب ایک ہوگیا اور خدا اور اُسکے رسول کے آگے تن واحد کی طرح ہوگیا - جب تمام عرب نے اسلام قبول کرلیا - اُسوقت نجران میں ابھی کئی نصرانی قبائل موجود تھے - انہوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس ایک وفد بھیجا - مسیحیوں کو اپنے مذہب پر رہنے کی اجازت دیگئی - اور اُنکے لیئے ایک خفیف ٹیکس تجویز کیا گیا یہ ٹیکس اُس امن و حفاظت کے عوض میں لیا گیا جو اُن کو سلطنت مدینہ کے ماتحت حاصل تھا - حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے وقت تک بلا کسی قسم کی تکلیف کے یہ لوگ ملک عرب میں رہے - حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے عہد میں اُنسے درخواست کی گئی کہ وہ ملک شام میں جاکر آباد ہوں اور یہ علاقہ بھی سلطنت اسلامی میں ہی داخل تھا - ملک عرب کے لیئے یہ پسند کیا گیا کہ یہ ملک اسلام کے لیئے خاص رہے (تجربہ اس بات کا شاہد ہے کہ جب مختلف مذاہب کے پیرو ایک ملک میں باہم میل جول رکھتے ہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک مذہب کے رسوم و عادات و عقاید دوسرے مذہب میں داخل ہوجاتے ہیں - چنانچہ مسیحیت اس امر کا ایک عمدہ نمونہ ہے - یہ مذہب دوسری اقوام کے میل جول سے ایسا متاثر اور متغیر ہوگیا ہے کہ اب بالکل ایک نیا مذہب ہوگیا ہے جس میں اُس دین کا نام و نشان بھی نہیں پایا جاتا جس دین کی تعلیم حضرت مسیح علیہ السلام نے دی تھی یہ دین ایک بالکل نیا دین ہوگیا ہے اور اگر یسوع مسیح اور آپکے حواریوں کے لیئے یہ ممکن ہو کہ وہ دوبارہ دنیا میں آئیں تو بڑے زور سے اس دین سے جسے آجکل دین مسیحی کہا جاتا ہے اپنی بیزاری ظاہر کریں اور اس سے انکار کریں کہ دین اُنکا دین ہے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدائے تعالیٰ نے ایسی کامیابی عطا فرمائی کہ کُل جزیرہ عرب نے بلا جبر و اکراہ دین اسلام قبول کیا جیسا کہ قرآن شریف جس سے زیادہ

معتبر کوئی اسلامی تاریخ نہیں ہوسکتی اس بارہ میں فرماتا ہے اذا جاء نصر اللّٰہ والفتح ورأیت الناس یدخلون فی دین اللّٰہ افواجا۔ جب اللہ تعالیٰ کی نصرت اور فتح آگئی اور تو نے دیکھ لیا کہ لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں۔ اس آیۂ کریمہ سے ظاہر ہے کہ لوگوں نے خود بخود بلا جبر و اکراہ اسلام میں فوج در فوج داخل ہونا شروع کر دیا تھا۔ کیونکہ یہاں یَدْخُلُوْنَ کا لفظ ہے کہ لوگ خود بخود داخل ہو رہے ہیں یہ نہیں فرمایا کہ لوگوں کو اسلام میں داخل کیا جا رہا ہے اور لوگوں کے قبول اسلام کی وجہ بھی اسی آیۂ کریمہ میں بیان کی گئی ہے اور وہ یہ ہے اذا جاء نصر اللّٰہ والفتح۔ یعنی لوگوں کے اسلام کی طرف فوج در فوج رجوع کرنے کی وجہ وہ نصرت ہے جو خدائے تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو عطا فرمائی ہے اور اسکی وجہ وہ فتح نمایاں ہے جو خدا کی طرف سے حاصل ہوئی۔ یعنی لوگوں نے اس نصرت الٰہی اور فتح کو دیکھکر یہ یقین کر لیا ہے کہ یہ شخص درحقیقت خدا کا مرسل ہے۔ مکہ کا فتح کرنا بھی اُن کے لئے ایک یقین دلانیوالا نشان تھا کیونکہ اُن کا ایمان تھا کہ کعبہ خدائے تعالیٰ کا مقدس مقام ہے اور وہ اسکو بیت اللہ کہکر پکارتے تھے۔ اور اُن کا یہ ایمان تھا کہ کوئی کاذب بیت اللہ کو فتح نہیں کر سکتا اور اُنہوں نے تھوڑا ہی عرصہ اس سے پہلے اصحاب فیل کا واقعہ دیکھ لیا تھا کہ وہ کس طرح بیت اللہ پر قبضہ کرنیکی کوشش میں ہلاک ہوگئے۔ پس فتح مکہ کل اہل عرب کے لئے ایک ایسا یقینی نشان صداقت تھا کہ اُسکے بعد اُن کے دل میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہ سکتا تھا۔ پس اس نصرت الٰہی اور فتح کو دیکھ کر اہل عرب جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے شروع ہوگئے یہانتک کہ کل عرب مسلمان ہوگیا۔ جب خدا کی حیرت انگیز تائید و نصرت سے یہ حالت ہوگئی اور صرف معدودے چند اہل کتاب جو طرح طرح کی غلطیوں میں گرفتار تھے باقی رہ گئے تو یہ ضروری دیکھا گیا کہ جس سرزمین کو خدائے تعالیٰ کے زبردست ہاتھ نے پاک صاف کر دیا ہے اب اسمیں یہ ملونی بھی نہیں رہنے دینی چاہیئے جبراً اسلام میں داخل کرنا تو مسلمانوں کا کام نہ تھا۔ اس لیئے اُنہوں نے ان لوگوں کو کہا کہ تم کو شام کے سرسبز ملک میں جہاں تمہاری

ہم مذہب لوگ بھی کثرت سے پائے جاتے ہیں جگہ دی جاتی ہے اور وہ ملک بھی اسلامی سلطنت ہی کا ایک حصّہ ہے۔ اسلیئے تم عرب کے ریگستان سے نقل مکان کر کے شام کے سرسبز علاقے میں اپنے ہم مذہب لوگوں کے قرب و جوار میں اپنا مسکن بناؤ۔ اسکی غرض صرف یہ تھی کہ کم از کم ایک خطۂ زمین ایسا رہنا چاہیئے جہاں اسلام بیرونی اثر سے محفوظ رہ کر بگڑنے سے بچ جائے اور چونکہ خدائے تعالیٰ نے خود اپنی غیر معمولی قدرتوں کے کرشمے دکھا کر عرب کے جزیرہ کو پاک وصاف کر دیا تھا اور یہی ملک تھا جہاں اسلام کا پودا خود نبی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے لگایا اور خود اُسکی آبپاشی اور حفاظت کی تھی اسلیئے اسی ملک کو اس غرض کے لیئے منتخب کیا گیا۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو جیسا اب مسیحی مذہب بگڑ کر مسخ ہو گیا ہے یہی حالت اسلام کی ہو جاتی۔ ایڈیٹر ریویو)

تمام منافق مزاج مسیحی مصنف بدر کی لڑائی پر آکر بغلیں بجاتے ہیں کہ دیکھو اب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین تلوار کا دین ہو گیا۔ یہ لوگ اپنے نئے عہدنامے اور مسیحیت کی تاریخ سے محض بے خبر ہیں۔ آؤ ہم دیکھیں کہ اپنے مذہب کے متعلق یسوع مسیح تلوار کے بارہ میں کیا کہتا ہے۔ متی باب ۱۰ درس ۳۴ میں یسوع مسیح کہتا ہے "یہ مت سمجھو کہ میں زمین پر صلح کروانے آیا۔ صلح کروانے نہیں بلکہ تلوار چلانے آیا ہوں" پھر لوقا باب ۱۲ درس ۴۹ میں یسوع کہتا ہے "میں زمین پر آگ لگانے آیا ہوں اور میں کیا ہی چاہتا ہوں کہ لگ چکی ہوتی" پھر اسی کتاب کے باب ۱۲ درس ۵۱ میں ہے "کیا تم گمان کرتے ہو کہ میں زمین پر میل کروانے آیا ہوں؟ نہیں میں تمھیں کہتا ہوں بلکہ جدائی" پھر لوقا باب ۱۴ درس ۲۶ میں لکھا ہے "اگر کوئی میرے پاس آوے اور اپنے ماں باپ اور جورو لڑکے اور بھائی بہن بلکہ اپنی جان سے دشمنی نہ کرے میرا شاگرد ہو نہیں سکتا" اور پھر اسی کتاب کے باب ۲۲ درس ۳۶ و ۳۸ میں لکھا ہے۔ "جسکے پاس بٹوا ہو لیوے اور اسی طرح جھولی بھی۔ اور جس پاس نہیں اپنے کپڑے بیچکے خریدے .... اُنھوں نے کہا کہ دیکھ اے خداوند یہاں دو تلوار ہیں .... اُس نے کہا بہت ہیں"

یہ ہرگز خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ مسیحیوں نے کبھی تلوار سے کام نہیں لیا جیسا کہ آجکل کے مسیحی مشنری دنیا کو یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں ہرگز ایسا خیال نہیں کرنا چاہیئے۔ چوتھی صدی مسیحی میں سائی رل نامی ایک مسیحی بزرگ اسکندریہ میں بشپ کے عہدہ پر ممتاز تھا۔ اس نے ۴۱۰ء میں چالیس ہزار یہودیوں کو ایک ہی رات میں صرف اسلیئے قتل کروا دیا کہ اُنہوں نے مسیحیت کو قبول کرنیسے انکار کیا۔ اس بات کو یاد رکھو کہ ۳۲۵ء سے لیکر آجتک مسیحی تلوار لوگوں کو مسیحیت میں داخل کرنیکے مقدس کام میں مصروف رہی ہے۔ جو خون مسیحی تلوار نے بہایا ہے اگر اُسکو جمع کیا جاوے تو وہ ایک اتنا بڑا سمندر بنجائے کہ روئے زمین کا بڑی سی بڑا بحری بیڑا باآسانی اُس میں تیر سکے۔ مگر ابھی اس خونریزی کا خاتمہ نہیں ہوا۔ جب سے دنیا شروع ہوئی کسی مذہب میں اسقدر ظلم سے کام نہیں لیا گیا جسقدر کہ مسیحیت میں لیا گیا ہے۔ اور اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اسکی تعدی کو روکنے کے لیئے نہ آتے تو اب بھی وہ اپنی ظالمانہ کارروائی کو بند نہ کرتے۔ مسیحی صاحبان اسلامی فاتحین پر اسلیئے اعتراض کرتے ہیں کہ وہ تین تجویزیں دشمن . . . . . کے سامنے پیش کرتے تھے۔ ۱۔ اسلام قبول کرکے اسلامی اخوت میں داخل ہو جاؤ۔ ۲۔ یا اپنے مذہب پر قائم رہو اور ٹیکس ادا کرو۔ ۳۔ یا ہمارے ساتھ جنگ کر لو۔ ان نادان مسیحیوں کو شاید اُس طریق کا علم نہیں جس طریق سے شارلیمین نے ان کے آباؤ اجداد کو مسیحیت میں داخل کیا۔ وہ صرف دو باتیں پیش کرتا تھا۔ یعنی بپتسمہ قبول کرو ورنہ تمھارا سر تلوار سے اُڑا دیا جائے گا۔ سیکسن قوم کے ۴ ہزار آدمیوں کے سر اس نے ایک ہی دن میں صرف اس وجہ سے قلم کر دیئے کہ اُنہوں نے بپتسمہ لینے سے انکار کیا۔ علاوہ انکے جرمنی میں اُس نے کئی لاکھ آدمی تہ تیغ کر دیئے۔ وہ مسیحی مذہب کا سب سے بڑا مشنری تھا اُس نے اپنی تلوار سے اسقدر لوگوں کو مسیحی کیا کہ اُسوقت سے لیکر آجتک دوسرے مسیحی مشنریوں نے اسقدر آدمیوں کو مسیحی مذہب میں داخل نہیں کیا۔ مسلمانوں نیں کبھی محکمہ تفتیش قائم نہیں کیا گیا جیسا کہ مسیحیوں نے مذہبی اختلاف رائے رکھنے

والوں کو طرح طرح کے عذاب دینے کے لیئے قائم کیا تھا۔ اور جس طرح مسیحی کلیسیا بے گناہ عورتوں کو جادو کے شبہ پر زندہ جلاتی رہی ہے۔ ایسا اسلام میں کبھی نہیں ہوا۔ اور وہ بے رحمی کے کام صرف مسیحی کلیسیا ہی نے کیئے ہیں کسی اور مذہب میں اسکی نظیر نہیں ملتی۔ اسپر طرفہ یہ ہے کہ اسی مذہب کے پیرو اسلام کو تلوار کا مذہب کہنے میں اس قدر اصرار کرتے ہیں۔ جیساکہ تاریخ سے نہایت صفائی سے ثابت ہوتا ہے دنیا میں ایک ہی مذہب ہے جو آگ اور تلوار کا مذہب ہے، اور وہ مسیحی مذہب ہے۔ نفرت اور تفرقہ کا مذہب جیساکہ تاریخ ظاہر کرتی ہے مسیحیت ہی ہے۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) عرب کے رہنے والے۔ ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کے فرزند تھے۔ اور اس لیئے اُنکے قلب کی بناوٹ ایک رومی یا یونانی کے قلب کی طرح نہ تھی۔ نیز وہ ہمارے جارج واشنگٹن کی طرح پرلے درجے کے محب الوطن تھے۔ اور آپ کا ایک مدعا یہ بھی تھا کہ کُل اہل عرب میں اتحاد کی روح پھونک کر اُن کو ہمیشہ کے لیئے ایک مضبوط قوم بنا دیں۔ عرب میں بے شمار قبائل موجود تھے اور اگر یہ لوگ مسیحی مذہب اختیار کر لیتے تو ان میں وحدت کی وہ روح کبھی نہ پھونکی جاتی جو اسلام کے ماتحت اُن میں پھونکی گئی۔ تمام عرب اور تمام مسلمان جو روئے زمین پر پائے جاتے ہیں وہ حضرت مسیحؑ کی نبوت پر ایسا ہی ایمان رکھتے ہیں جیساکہ موسیٰؑ اور داؤدؑ پر اور وہ اُنکو دوسرے انبیائؑ کی طرح ایک خدا کا رسول مانتے ہیں اور اُنکی ایسی ہی عزت کرتے ہیں جیسی دوسرے نبیوں کی۔ حضرت مسیحؑ نے بھی دوسرے انبیائؑ کی طرح توحید کی ہی تعلیم دی۔ اور نجات کے لیئے اعمال صالحہ کو ضروری ٹھہرایا۔ متی کے باب ۲۵ میں جو مثال حضرت مسیحؑ نے دی ہے وہ ہمارے قول کی تائید کرتی ہے۔ اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بھی یہی تعلیم دی اور اس سے بڑھکر سچی اخوت کا سبق دیا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی کے حالات پیدائش سے لیکر وفات تک سب مشہور و معروف ہیں مگر مسیح کی زندگی میں کئی سالوں کے وقفے ایسے واقع ہوئے ہیں جو بالکل تاریکی میں پڑے ہوئے ہیں اور جن کی نسبت کچھ بھی معلوم نہیں۔ جن کتابوں کو

اناجیل کہا جاتا ہے انکا ایک لفظ بھی اُس نے نہیں لکھا - اور یہ کتابیں ڈیڑھ سو سال بعد تحریر میں آکر شائع ہوئیں - اور جو پُرانے نسخے اسوقت موجود ہیں وہ بھی کئی سو سال کے بعد کے لکھے ہوئے ہیں اور انہیں باہم سخت اختلاف ہے - قلمی نسخوں کے لکھنے والوں نے بہت سی باتیں بدل ڈالیں اور بہت سی باتیں اپنی طرف سے ملا دیں - اسلیئے جو نسخے اناجیل کے آجکل ہمارے پاس موجود ہیں انکو یسوع مسیح کی انجیل نہیں کہہ سکتے - اور اگرچہ ان کتابوں پر متی - مرقس - لوقا - اور یوحنا کے نام لکھے ہوئے ہیں مگر آجکل کوئی محقق قسم نہیں کھا سکتا کہ ان کتابوں کے لکھنے والے یہی لوگ ہیں جن کی طرف یہ کتابیں منسوب ہیں - دنیا میں قرآن ہی ایک ایسی مقدس کتاب ہے جسکی نسبت کوئی شک نہیں٭ - ہر ایک کلمہ جو اُس میں درج ہے وہ بعینہٖ وہی ہے جو حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے تحریر میں لایا گیا اور آپ کی وفات سے ایک سال بعد آپکے خلیفۂ اوّل ابوبکرؓ نے اسکو جمع کیا - حضرت محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) توحید کے واعظ تھے اور اس عقیدہ کو دنیا میں دوبارہ زندہ کرنیوالے تھے اور آپکے اندر خالص دینی جوش کام کر رہا تھا - اور آپنے اپنی قوم میں ایسی تبدیلی پیدا کر دی کہ آپ کی وفات سے ایک سو سال بعد اسلامی تہذیب نے یونانی اور رومی تہذیب کو بھی مات کر دیا - آجکل بھی مہذب انسانوں کے خیالات میں جو تبدیلی ہو رہی ہے وہ اسلامی تعلیم کے موافق ہے -

ہورے شی اس بونر جو سکاٹلینڈ کا ایک مشہور بزرگ اور مذہبی کتبوں کا مصنف ہے مصر اور کنعان میں سفر کرنے کے بعد اسلام کے بارے میں مندرجۂ ذیل رائے ظاہر کرتا ہے :-

" ہم نے کئی مسجدیں اندر کی طرف سے اور باہر کی طرف سے دیکھیں - سب بالکل سادہ تھیں - مگر ہمارے گرجے کیا شرقی ممالک میں اور کیا مغربی ممالک میں ایسی نہیں ہوتے

٭ ڈاکٹر بیکر صاحب نے یہ کیا ہی سچا کلمہ کہا ہے - خدائے تعالیٰ فرماتا ہے - ذالک الکتٰب لاریب فیہ - (ایڈیٹر - ریویو)

مسجد میں بُت پرستی کا کوئی نشان نہیں ہوتا۔ کوئی تصویر یا بُت یا اعشاء ربانی کی روٹی مسجد میں نہیں ہوتی جیسی کہ ہمارے گرجاؤں میں ہوتی ہیں۔ اسلام سے پہلے یعنی پانچویں اور چھٹی صدی میں مسیحیت کی حالت بُت پرستی سے بدتر تھی۔ اور اسلام کا مذہب مسیحیت کے بگاڑ کی وجہ سے پیدا ہوا۔ اس مذہب میں اُن غلطیوں اور بدیوں کی اصلاح کی گئی ہے جو مشرقی ممالک کی مسیحیت میں داخل ہو گئی تھیں۔ اُس زمانہ کے مسیحی نہایت ہی کمینہ قسم کے شرک میں مبتلا تھے مثلاً مریم صدیقہ اور اولیاء کی پرستش۔ جس قسم کی مسیحیت کو اسلام نے جڑ سے اُکھیڑا اُسکی جگہ اس سے بہتر مذہب جاری کیا۔ ایک مسلمان بُت پرستی سے سخت نفرت کرتا ہے اور وہ ہرگز گوارا نہیں کر سکتا کہ لاطینی یا یونانی فرقہ کے گرجا میں داخل ہو جہاں ہر ایک گوشے اور ہر ایک کونے میں بُت پرستی کے نشان نظر آتے ہیں۔ وہ کسی تصویر کے آگے نہیں جُھک سکتا۔ اور نہ کسی بُت کے پاؤں پر بوسہ دے سکتا ہے۔ اور نہ کسی تصویر کے آگے خوشبو جلا سکتا ہے۔" یروشلم کے پاشا نے بونر سے کہا "جب مسیح کی قبر کے گرجے میں لاطینی۔ یونانی۔ قبطی اور آرمینی مسیحی شور مچاتے۔ لڑائی کرتے اور فساد کرتے ہیں درحالیکہ مقدس روٹی کے معبود اُنکے مُنہ میں ہوتے ہیں اور اُنکے بُت خوشی سے اُنکے جنگ کا نظارہ کر رہے ہوتے ہیں اُسوقت مجھے مجبوراً امن قائم رکھنے کے لئے اسجگہ موجود رہنا پڑتا ہے اور اس بُت پرستی کا نظارہ کرنا پڑتا ہے مگر میں اسکی برداشت نہیں کر سکتا۔" مسٹر بونر کہتا ہے کہ واقعی جب انسان ان گرجوں کو دیکھکر مسجد میں جاتا ہے تو اُس کی طبیعت کو بہت آرام اور سکون پہنچتا ہے۔ مسٹر سٹڈرڈ نے جو لیکچر یروشلم پر دیا ہے وہ بھی قابل دید ہے۔ اس میں مسٹر بونر کے بیان کی تصدیق پائی جاتی ہے۔

اِسلام سچائی۔ ہاں نہایت ہی اعلیٰ سچائی کا ایک زندہ مرکز ہے۔ بُت پرست دنیا اس سچائی سے بالکل بے خبر تھی اور مسیحیت نے اس سچائی کو دبا دیا تھا۔ وہ سچائی توحید کی تعلیم ہے۔ یہ وہی سچائی ہے جسکی ابراہیمؑ۔ موسیٰؑ۔ داؤدؑ اور مسیحؑ نے تعلیم دی۔

توریت میں لکھا ہے سُن لے اسرائیل۔ خداوند ہمارا خدا ایک خدا ہے۔ اور یہی تعلیم ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دی۔ یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ آپ جہان کے لیئے خدائے واحد کے رسولؐ تھے یہی خدا تعالےٰ کے متعلق اعتقاد جو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اہل عرب کے دل میں قائم کیا آج قرآن کے شاگردوں میں کانگو (مغربی افریقہ) سے لیکر دریائے گنگا اور دریائے ینگ سے (چین) تک پایا جاتا ہے بلکہ تمام جہان میں اسلامی عمارات پر بھی نمایاں ہے۔ مسلمان خدائے واحد پر اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت اور صداقت پر ایسا پکّا اور مستحکم ایمان رکھتے ہیں کہ اُنکو عیسائیت کی طرف لانا ایک بے سود کوشش ہے۔ اسلام نے پہلے بھی ایک بڑا مفید کام کیا ہے اور جبتک مسیحیت کے بڑے بڑے فرقے شرک کا کچھ شائبہ بھی اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اسلام مسیحیت کے راستے میں ایک ناقابل گذر رکاوٹ رہے گی۔ اور اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کے لیئے ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ مَیں بڑے زور سے کہونگا کہ رومن کیتھولک چرچ کے لیئے جو کہ مریمؑ کو خدا کی صفات دیتا ہے اور قسم قسم کے شرکوں میں مبتلا ہے۔ اسلام پر فتح پانا ناممکن ہے جو کہ خالص وحدانیت اور سچی روحانیت کے ساتھ مسیحیت کا مقابلہ کر رہا ہے۔ مذہب اسلام میں کوئی ایسے واعظ اور مشنری نہیں ہیں جیسے کہ عیسائیوں میں ہیں۔ مسلمان خدا کی عبادت بالواسطہ نہیں کر سکتے ہر ایک کو خدائے تعالےٰ کی عبادت خود کرنی پڑتی ہے۔ اسواسطے ہر ایک سچا مسلمان اپنے نفس کے لیئے خود ذمہ دار ہے اور سچے خدا کی عبادت دن میں پانچ دفعہ کرتا ہے اُن کے مسجدوں میں کوئی گھڑیال نہیں ہوتا۔ مؤذن اپنی زندہ آواز سے مومنوں کو نماز کی طرف بلاتا ہے۔ جو جا سکتے ہیں وہ مسجد میں جاکر نماز پڑھتے ہیں اور جو نہیں جا سکتے وہ جس جگہ ہوتے ہیں اُسی جگہ نماز پڑھ لیتے ہیں۔ بازار میں۔ گلی میں۔ کھیت میں یا اور کسی جگہ جہاں اُنہیں جانیکا اتفاق ہو۔ وہ مسیحیوں کی طرح کُھلم کُھلا لوگوں کے سامنے نماز پڑھنے سے نہیں شرماتے۔ جہاں مسجد ہوتی ہے اُسکے ساتھ چھوٹے لڑکوں کے لیئے ایک درس گاہ بھی ہوتی ہے۔ اور ایسے مسلمان کم نظر آتے ہیں جو کم از کم اپنی مقدس کتاب پڑھ نہ سکتے ہوں۔ اُنکو

بہت سے کالج اور یونیورسٹیاں ہیں اور سب سے بڑی یونیورسٹی قاہرہ میں ہے جہاں کہ ۱۲ ہزار طالب علم اسلامی دنیا کے مختلف حصوں سے آکر تعلیم پاتے ہیں۔ یہ یونیورسٹی آکسفورڈ اور ہیڈلبرگ کی یونیورسٹیوں سے بھی پُرانی ہے۔ اسکے علاوہ کارڈوا (سپین) اور دمشق کے دارالعلوم اور کتب خانے اُسوقت موجود تھے جبکہ یورپ زمانۂ ظلمت کی گہری نیند سویا پڑا تھا۔ اور جب مسیحی بادشاہ بشپ اور ملّاں اپنا نام تک لکھنا نہیں جانتے تھے۔ اسلام آج بھی بڑی تیزی سے ترقی کر رہا ہے۔ ہم کروڑ ہا روپیہ ہر سال مشنوں پر ہندوستان۔ چین۔ افریقہ وغیرہ میں خرچ کرتے ہیں اور ہزاروں اچھی اچھی تنخواہیں پانیوالے مشنری دُور دراز ملکوں میں کام کرتے ہیں مگر باوجود اسکے غیر مذہب کے لوگوں کو مسیحی بنانے کے کام میں کوئی معتدبہ ترقی نہیں ہوئی۔ چین کے دارالخلافہ پیکن میں آج ۲۵ بڑی بڑی مسجدیں ہیں اور ایک لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کی آبادی ہے۔ مسیحی مشنوں کے نتائج نہایت ہی ناقابل اطمینان ہیں۔ صرف ہندوستان میں ۲ ہزار سے زیادہ مسیحی مشنری کام کر رہے ہیں اور اچھی اچھی تنخواہیں پا رہے ہیں مگر گذشتہ سال میں صرف نوسو آدمی اور وہ بھی ادنیٰ ذاتوں کے مسیحی مذہب میں داخل ہوئے۔ مگر اسلام کا یہ حال ہے کہ گذشتہ دس سال میں پچاس لاکھ سے زیادہ آدمی مشرف باسلام ہوئے۔ حالانکہ مسلمانوں میں کوئی تنخواہ دار مشنری اس کام کے لئے مقرر نہیں ہیں۔

مَیں اس مضمون پر زیادہ بحث کر سکتا تھا۔ مگر جو کچھ مَیں بیان کرچکا ہوں انہیں بھی بہت سی ایسی باتیں ہیں جو اکثر سامعین کے لئے نئی ہیں۔ آپ گھر جاکر ان باتوں پر غور فرماویں۔ جو کچھ مَیں نے بیان کیا ہے اگر اسکا ایک حصّہ بھی آپ صاحبان یاد رکھینگے تو مَیں سمجھونگا کہ میری محنت کا بدلہ مجھے مل گیا ہے۔

اے۔ جارج۔ بیکر
فیلاڈلفیا۔ اضلاع متحدہ
امریکہ

چین پر مسیحی دنیا کی دعا کا اُلٹا اثر

کُل دنیا اسلام کی صداقت کا ایک روشن نشان بلقان میں حال میں ہی دیکھ چکی ہے۔ کہ کس طرح اسلام کے ایک خادم نے ۹ سال پہلے خدائے تعالیٰ سے الہام پاکر یہ پیشگوئی شائع کی کہ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَھُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِہِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ۔اور کس طرح اس پیشگوئی کے مطابق پہلے سلطنت روم نے اپنے دار الخلافہ سے قریب کی زمین میں بلگیریا کے ہاتھ سے قابل شرم شکست کھائی اور پھر کس طرح محض آسمانی اسباب کے پیدا ہونے سے باوجود اپنی ناتوانی اور کمزوری کے بغیر لڑائی کے اپنے دشمن پر پیشگوئی کے منشاء کے مطابق بہت جلدی دوبارہ فتح حاصل کی مغرب میں تو اسلام کی صداقت کے آفتاب نے اس آسمانی نشان کی شکل میں طلوع کیا مگر افسوس ہے کہ مشرق میں انہی دنوں میں مسیحیت کی بدقسمتی سے ایک امر واقع ہُوا جس سے اس مذہب کا ایک مردہ اور بے جان مذہب ہونا روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا۔ چونکہ اسلام اور مسیحیت میں آجکل بڑا سخت مقابلہ جاری ہے اور مسیحی مذہب کے شیدائی چاہتے ہیں کہ جس طرح ہو سکے اسلام کی بیخ کنی کیجاوے مگر خدائے تعالیٰ چاہتا ہے کہ اسلام کا غلبہ ہو اور مسیحیت کا باطل ہونا دنیا پر ظاہر ہو اسلیئے جب اُس نے مغرب میں اسلام کی صداقت کا ایک چمکتا ہُوا نشان ظاہر کیا تو مشرق میں ایک ایسا امر ظاہر کیا جس سے بدیہی طور پر یہ ثابت ہو گیا کہ مسیحیت کے واعظ صرف ایک جھوٹ کی تائید کر رہے ہیں اور یہ کہ یہ مذہب روحانیت سے خالی ہے۔ اسکی تفصیل یہ ہے کہ ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے ہیں کہ چین میں ایک جمہوری سلطنت قائم کی گئی ہے۔ اسپر چینی گورنمنٹ نے مسیحی لوگوں کے آگے نہایت سنجیدگی سے یہ التجا کی کہ چین کی اس نئی جمہوری سلطنت کی بہتری

کے لیئے مسیحی گرجاؤں میں دعا کی جاوے کہ خداوند خدا اس زمین پر اپنی برکت اور رحمت نازل فرمائے اور ملک میں امن ہو۔ اور سلطنت میں صلح اور آشتی کا دور دورہ ہو۔ مسیحی مشنری تو مارے خوشی کے اپنے جاموں سے باہر ہو گئے اُنہوں نے گمان کیا کہ بس اب ہمارا جادو چل گیا۔ چین کی قدیمی سلطنت اب ہماری طرف مائل نظر آتی ہے اور اُنکی اس درخواست سے کہ مسیحی ہماری جمہوری سلطنت کے لیئے دعا کریں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ چینی لوگوں کے دلوں میں خداوند یسوع مسیح کی محبت جاگزین ہو چکی ہے اور انکی یہ اپیل ہماری کامیابی کا بڑا بھاری نشان ہے اور اُمید پڑتی ہے کہ عنقریب چینی لوگ کل کے کل مسیحی دین میں داخل ہو جائیں گے۔ اور ان کی یہ درخواست ایک پہلا قدم ہے جو اُنہوں نے ہمارے دین کی طرف اُٹھایا ہے۔ اس خوشی کو مسیحیوں نے اپنے دلوں تک ہی محدود نہ رکھا بلکہ اخباروں میں بھی بڑے فخر سے اپنی اس کامیابی کا اظہار کیا۔ اُنکو چینیوں کی اس اپیل سے اسقدر خوشی ہوئی کہ ریوٹر کی ایجنسی پر بھی جو بڑے بڑے اہم واقعات کو بذریعہ تار برقی دنیا کے کل حصوں میں شائع کرتی ہے اِس عام خوشی کا اثر ہوا اور اُس نے بھی اِس خوشی کو ایسا عظیم الشان خیال کیا کہ تار کے ذریعہ اُس نے مسیحیوں کی اِس خوشی کو دنیا کے کناروں تک پہنچایا مگر بچارے مسیحیوں کو کیا معلوم تھا کہ اُنکی اس خوشی کے نیچے ایک ماتم پوشیدہ ہے اور جس امر کو وہ اپنی کامیابی کا نشان گمان کر رہے ہیں وہ درحقیقت اُن کے لیئے ایک امتحان ہے جس سے دنیا پر اور خصوصاً چینیوں پر یہ ظاہر ہو جائے گا کہ ان مسیحیوں کے پاس سوائے لفظوں کے اور کچھ بھی نہیں اور یہ کہ اُنکو خدا سے کوئی تعلق نہیں اور اُنکا مذہب روحانیت سے بالکل خالی ہے اور یہ کہ اُنکی ظاہری پارسائی صرف ایک دھوکہ ہے اور اُنکی دعا محض ایک فیشن ہے اُس میں ذرا بھی قبولیت کا نشان باقی نہیں اور اُن کا یہ کہنا کہ یسوع مسیح ہمارا خدا ہے جو ہماری دعاؤں کو سنتا ہے ایک گپ ہے جسمیں صداقت کی بو بھی نہیں پائی جاتی۔

ریوٹر نے ۱۸- اپریل ۱۹۱۳ء کو خبر دی کہ کل یعنی ۱۷- اپریل ۱۹۱۳ء کو چین کی گورنمنٹ نے بذریعہ تار مسیحی مذہب کے تمام لیڈروں سے درخواست کی کہ ہماری سلطنت اور قوم کے لیئے ملک کے تمام گرجوں میں ۲۷- اپریل ۱۹۱۳ء کو دعا کیجائے اور اس دعا میں نہ صرف مشنری صاحبان شریک ہوں بلکہ جسقدر مسیحی لوگ ہماری سلطنت میں موجود ہیں اُن سب کی خدمت میں ہماری درخواست ہے کہ وہ بھی سب کے سب اس دعا میں شامل ہوں اور یہ دعا ملک کے تمام گرجاؤں میں کیجائے اور ساتھ ہی اسکے چینی گورنمنٹ نے اپنے ملک کے تمام صوبہ داروں کے نام حکم بھیجا کہ جب مسیحی صاحبان ہماری سلطنت اور قوم کے لیئے دعا کریں تو اس موقعہ پر سرکاری افسر بھی حاضر ہوں۔ اس سے پہلے ۱۳- اپریل ۱۹۱۳ء کو گورنمنٹ کی درخواست پر ایک خاص جلسہ مسیحیوں نے گرجا میں کیا تھا جس میں نئی قائم شدہ پارلیمنٹ کے لیئے دعا کی گئی تھی۔ ریوٹر تار دیتا ہے کہ چینی گورنمنٹ کی درخواستوں سے مسیحی قوم غایت درجہ خوش ہوئی ہے اور بیرونی لوگ جو چین میں رہتے ہیں وہ یہ رائے ظاہر کر رہے ہیں کہ گورنمنٹ کی اس درخواست سے صریحاً پایا جاتا ہے کہ حیرت انگیز تیزی کے ساتھ چینی لوگ مسیحی مذہب کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

پھر ۲۱- اپریل ۱۹۱۳ء کو ریوٹر نے بذریعہ تار خبر دی کہ چین کی گورنمنٹ نے جو مسیحیوں سے دعا کی درخواست کی ہے اس سے برطانیہ کے لوگوں میں چین کے ساتھ خاص ہمدردی پیدا ہوگئی ہے اور تمام مسیحی فرقوں کے لیڈر اس امر کا انتظام کر رہے ہیں کہ ۲۷- اپریل کو ملکہ چینی سلطنت کے امن و آرام کے لیئے دعا کیجاوے۔ امریکہ سے بھی خبر آئی ہے کہ وہاں بھی ۲۷- اپریل ۱۹۱۳ء کو چینی سلطنت کے لیئے دعا کرنیکی تیاری ہو رہی ہے اور یہ دن اس دعا کے لیئے مخصوص کیا گیا ہے۔ ریوٹر نے ۲۳- اپریل کو تار دیا کہ آرچ بشپ آف کینٹربری اور بشپ آف لنڈن نے عام جلسوں میں چینیوں کے ساتھ بہت ہمدردی ظاہر کی ہے اور اُن کی درخواست سے نتیجہ نکالا ہے کہ اب مسیحیت کے لیئے چین میں بڑی کامیابی حاصل کرنے کی اُمید ہے۔ اور حکم دیا ہے

کہ تمام گرجاؤں میں چینی سلطنت کی بہبودی کے لیئے شفاعت کی جاوے۔

ریوٹر نے ۲۴-اپریل ۱۹۱۳ء کو تار دیا کہ آرچ بشپ آف کینٹربری نے ایک خاص دعا تیار کی ہے جو سب گرجاؤں میں چین کی جمہوری سلطنت کے امن و امان کیلئے ۲۷-اپریل ۱۹۱۳ء کو کیجائے گی۔ آرچ بشپ آف یارک نے اپنے علاقہ کے تمام مسیحیوں کے نام حکم جاری کیا ہے کہ وہ مقررہ تاریخ کو چین کے امن و سلامتی کیلیئے دعا کرنے میں شریک ہوں۔ مکتی فوج کے افسر جنرل بریمول بوتھ نے چین کے پریسیڈنٹ کے نام تار بھیجا ہے کہ دنیا بھر کی مکتی فوج ملک تمھارے ملک کے امن و آرام کیلیئے دعا کریگی۔ برطانیہ اور آئرلینڈ کے پراٹسٹنٹ مشنری سوسائیٹیوں کی کانفرنس کے میر مجلس نے چین کے پریسیڈنٹ کو مبارکباد کا تار بھیجا ہے۔

۲۶-اپریل کو ریوٹر نے تار دیا کہ چین کے مشنریوں کی اپیل کے جواب میں آسٹریلیا کے تمام گرجے چین کی پارلیمنٹ اور قوم کے لیئے دعائیں کر رہے ہیں۔

۲۸-اپریل کو ریوٹر نے لنڈن سے تار دیا کہ کل ۲۷-اپریل ۱۹۱۳ء کو تمام برطانیہ کے ملک میں چین کی بہبودی اور امن کے لیئے دعائیں کی گئیں۔ ایک عام جلسہ میں چینی وزیر نے ان دعاؤں سے متاثر ہو کر کہا کہ اب مجھے چین میں ایک بالکل نئے زمانہ کے شروع ہونے کے آثار نظر آتے ہیں۔

مندرجہ بالا تاروں سے ناظرین دیکھ سکتے ہیں کہ کس طرح مسیحی دنیا نے چین کے لیئے دعا کرنیکا جوش ظاہر کیا۔ برطانیہ کے گرجاؤں میں چین کے لیئے دعائیں کی گئیں۔ امریکہ میں دعائیں کی گئیں۔ آسٹریلیا میں دعائیں کی گئیں۔ ہندوستان میں دعائیں کی گئیں۔ ۲۷-اپریل کو کروڑ ہا مسیحیوں کی آواز روئے زمین کے گرجاؤں میں چین کے لیئے شفاعت کر رہی تھی۔ مسیحی کلیسیا کے ہزار ہا بزرگ اپنے خداوند یسوع مسیح کے آگے پورے زور سے التجا کر رہے تھے کہ اے خداوند تو اس نئی جمہوری سلطنت میں امن قائم کر۔ چین کے لوگ چین سے زندگی بسر کریں۔ ملک میں اندرونی طور پر بھی امن ہو اور بیرونی طور پر بھی امن ہو۔ اے خداوند۔ اس قوم نے تیری طرف رخ کیا ہے۔ تو انکو ایک نشان دکھا۔ ہماری متحدہ دعاؤں کو سن۔ اور ان کو امن اور چین بخش تا یہ اس بات کا ایک نشان ہو کہ خداوند یسوع مسیح

ایک زندہ خدا ہے جو اپنے بندوں کی دعاؤں کو سُنتا ہے - اور چینی قوم اس نشان کو دیکھ کر تیری طرف زیادہ تیزی سے قدم اُٹھائے اور چین کی سرزمین میں تیرا جلال ظاہر ہو - اے خداوند یسوع مسیح - اِس قوم کو اب ہمارے مذہب کے متعلق بڑا حسن ظن ہے - اور اُنکا گمان ہے کہ ہم خدا رسیدہ اور برگزیدہ لوگ ہیں - اسی لیئے انہوں نے دنیا کے کُل مذاہب کو چھوڑ کر ہماری طرف رجوع کیا ہے اور اپنے دیوتاؤں اور خود بُدھ پر اے خداوند تجھے ترجیح دی ہے - پس اے خداوند ایسا نہ ہو کہ یہ موقعہ ہاتھ سے جاتا رہے - تُو اپنی قدرت کا ایک کرشمہ دکھا اور چینیوں پر اور دنیا کی دوسری قوموں پر اسوقت ثابت کر دے کہ دنیا میں آج ایک ہی سچا مذہب ہے اور ایک ہی ایسا دین ہے جسمیں مقدس لوگ کثرت سے پائے جاتے ہیں - مسیحیوں نے ۲۷ - اپریل کا نام شفاعت کا دن رکھا اور سب نے ملکر ایک وقت اپنی آواز کو آسمانوں کی طرف اُٹھایا - مگر افسوس یہ دن مسیحیت کے لیئے نہایت ہی نامبارک ثابت ہُوا کیونکہ بجائے اسکے کہ سلطنت چین میں امن اور چین ترقی کرے جس قدر امن پہلے اس درخواست کے وقت موجود تھا وہ بھی جاتا رہا اور اس دعا پر ابھی بہت عرصہ نہیں گذرا تھا کہ چین میں سخت خانہ جنگی شروع ہو گئی جو اسوقت تک جاری ہے - اپریل کے آخر میں چین کے امن کیلیئے مسیحی گرجاؤں میں دعا نہیں بلکہ شفاعت کی گئی اور اس مذہب میں جو لوگ بڑے مقدس اور پاک اور یسوع مسیح کے جانشین سمجھے جاتے ہیں اُن سب نے اپنا پورا زور لگایا مگر اُن کی دعا کا اُلٹا اثر پڑا اور اس شفاعت پر ابھی دو مہینہ ہی گذرے تھے کہ چین کی ساری ولایت میں جنوب سے لیکر شمال تک ایک خطرناک جنگ برپا ہو گئی جس میں لڑنے والے دو گروہ ہیں - ایک شمالی گروہ اور ایک جنوبی گروہ - اسوقت تک کئی لڑائیاں ہو چکی ہیں اور ہزارہا انسانوں کا خون بہایا جا چکا ہے اور جب ایک ملک کے لوگ خود آپسمیں جنگ کر رہے ہوں تو اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کہاں تک اِس ملک کے لوگ امن اور چین سے زندگی بسر کر سکتے ہیں - یہ عجیب شفاعت ہے جسکا اثر یہ ہُوا کہ پہلا امن بھی جاتا رہا اور خدا کا رحم غضب سے بدل گیا - اس سے آپ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ یہ شفاعت کرنیوالے لوگ کہاں تک

منقربان بارگاہ الٰہی ہیں اور انکے مذہب میں کہانتک روحانیت پائی جاتی ہے۔ مسیحیوں نے تو اس موقعہ کو خوشی کا موقعہ سمجھا تھا مگر یہ دن یعنی ۲۷۔ اپریل کا دن انکے لیئے اور انکے مذہب کے لیئے ایک منحوس دن ثابت ہوا اور انکی خوشی ماتم سے بدل گئی اور وہ عزت پانے کے امیدوار تھے مگر نتیجہ اسکے برعکس نکلا۔ اور دنیا پر قطعی طور پر ثابت ہوگیا کہ اس مذہب میں کچھ بھی روحانیت نہیں بلکہ یہ ایک مردہ مذہب ہے۔ اگر یہ لوگ خدا کے نزدیک ذرا بھی قبولیت رکھتے تو انکی یہ شفاعت جو کل ملکوں میں کروڑہا مسیحیوں نے ملکر کی ضرور قبول ہوتی مگر بجائے اسکے کہ اس شفاعت کے جواب میں چینیوں کو چین ملتا۔ الٹی بے چینی پیدا ہوگئی اور امن بدامنی سے بدل گیا۔ غور کرنیوالوں کے لیئے یہ عجیب موقعہ ہے۔ ایک طرف خدائے تعالیٰ اسلام کے ایک خادم کی پیشگوئی کو عجیب طور سے لوگوں کی توقع کے برخلاف پورا کر کے اسلام کی صداقت کو دنیا پر ظاہر کرتا ہے دوسری طرف کل مسیحی دنیا کی متحدہ سفارش کو رد کرکے بجائے رحم کے غضب ظاہر کرتا ہے اور جس قوم کے لیئے کل مسیحیوں نے اور بڑے بڑے بشپوں اور آرچ بشپوں اور دیگر مسیحی بزرگانِ دین نے ملکر اپنے خداوند یسوع مسیح کے آگے شفاعت کی تھی خداوند الٹا اس قوم پر ناراض ہوا ہے اور ان میں ایک خانہ جنگی چھیڑ دی ہے جو اسوقت تک ختم نہیں ہوئی۔ بہ بیں تفاوت راہ از کجا است تا بہ کجا۔ اب ناظرین خود فیصلہ کرلیں کہ کس مذہب کے پیرو روحانیت کا ثبوت اپنے پاس رکھتے ہیں اور کس مذہب کے پیرو روحانیت سے بالکل خالی بلکہ مقہور بارگاہ الٰہی ہیں۔

شائد مسیحیوں کی شفاعت کا الٹا اثر اسلیئے ہوا ہو کہ انہوں نے امن کے لیئے یسوع مسیح کے آگے شفاعت کی تھی مگر یسوع مسیح کہتا ہے "یہ مت سمجھو کہ میں زمین پر صلح کروانے آیا۔ صلح کروانے نہیں بلکہ تلوار چلانے کو آیا ہوں" (متی ۱۰/۳۴) "میں زمین پر آگ لگانے آیا ہوں۔ اور میں کیا ہی چاہتا ہوں کہ لگ چکی ہوتی" (لوقا ۱۲/۴۹) "کیا تم گمان کرتے ہو کہ میں زمین پر میل کروانے آیا ہوں۔ نہیں میں تمہیں کہتا ہوں بلکہ جدائی" (لوقا ۱۲/۵۱) معلوم ہوتا ہے کہ یسوع مسیح انکی اس شفاعت

پر ناراض ہوا ہے کہ باوجود اسکے کہ بائبل ہر وقت انکے ہاتھ میں رہتی ہے پھر بھی انکو خبر نہیں کہ میں زمین پر صلح کروانے نہیں آیا بلکہ تلوار چلانے آیا ہوں۔

کچھ عرصہ ہوا مسیحیوں نے اسلامی سلطنتوں کے لئے بھی ایک شفاعت کا دن مقرر کیا تھا اس کا نتیجہ بھی یہ ہوا کہ لاکھوں معصوم بچے۔ بے گناہ عورتیں اور بوڑھے مرد نہایت بے رحمی سے ظالم مسیحیوں کے ہاتھ سے مقتول ہوئے۔ مسیحیوں کی شفاعت عجیب حیرت انگیز نتیجے پیدا کرتی ہے اللہ تعالیٰ ایسی شفاعت سے دنیا کو محفوظ رکھے۔

ریویو

واقعہ صلیب مسیح کی چشم دید شہادت:۔ یسوع مسیح کے واقعہ صلیب کے چشم دید حالات ایک انگریزی کتاب میں شائع ہوئے ہیں۔ جس کا عام فہم اور سلیس ترجمہ میاں معراج الدین صاحب عمر نے بڑی خوبی اور عمدگی سے چھپوا کر شائع کیا ہے۔ اصل انگریزی کتاب پر اس رسالہ میں پہلے مفصل ریویو ہو چکا ہے۔ اس کتاب کے مصنف نے یہ ثابت کیا ہے کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا بلکہ بیہوشی کی حالت میں اُتارا گیا۔ ۱۰۵ صفحے کی کتاب مع مفید اور پُر از معلومات دیباچہ کے عمر روپیہ پر منیجر صاحب بدر بک ایجنسی سے مل سکتی ہے۔

قدیم ہندوستان کی روحانی تعلیم:۔ شیخ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر نور نے بڑی محنت اور کوشش سے قدیم ہندوستان کی روحانی تعلیم نام کتاب لکھ کر ہندوؤں کی مستند کتب ویدوں۔ شاستروں رامائن اور مہابھارت وغیرہ کے حوالجات سے اسبات کو پایۂ ثبوت تک پہنچایا ہے۔ کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہندوؤں کی مذہبی۔ اخلاقی اور تمدنی حالت بہت گری ہوئی تھی۔ اہل اسلام نے آکر انکو ظلمت سے نکالا۔ اور اوہام پرستی کے خطرناک عقیدے سے نجات دلائی۔ کتاب واقعی ویدک زمانہ کا نقشہ اور شاستروں کا ہوبہو مرقع کھے جانے کے قابل ہے۔ ۱۴۴ صفحے کی کتاب قیمت صرف ۸ر ہے۔ شائقین منیجر صاحب نور۔ قادیان سے طلب فرما دیں۔